اُدھاری کاروبار

حقیقت پسندانہ جائزہ

تالیف

شیخ عبدالرحمٰن عبدالخالق رحمہ اللہ (کویت)

اردو ترجمہ

جمشید عالم عبدالسلام سلفی

مکتبۃ السلام

انتری بازار، شہرت گڑھ، سدھارتھ نگر، یوپی

اُدھاری کاروبار

حقیقت پسندانہ جائزہ

تالیف

شیخ عبدالرحمٰن عبدالخالق رحمہ اللہ (کویت)

اردو ترجمہ

جمشید عالم عبدالسلام سلفی

مکتبۃ السلام

انتری بازار، شہرت گڑھ، سدھارتھ نگر، یوپی

نام کتاب........................اُدھاری کاروبار: حقیقت پسندانہ جائزہ

تالیف..................................عبد الرحمان عبد الخالق (رحمہ اللہ)

اردو ترجمہ..............................جمشید عالم عبد السلام سلفیؔ

ناشر.............مکتبة السلام انتری بازار، شہرت گڑھ، سدھارتھ نگر، یوپی، انڈیا

کمپوزنگ...................................ابو ہمام سلفیؔ

باہتمام..............................حافظ محبوب عالم عبد السلام سلفیؔ

سن اشاعت.................................جون ۲۰۲۲ء

تعداد اشاعت..................................ایک ہزار

تعداد صفحات...۷۲

قیمت...۶۰ / روپے

ملنے کے پتے:

❁ مکتبة السلام انتری بازار، شہرت گڑھ، سدھارتھ نگر، یوپی، انڈیا

Email Id : maktabatussalam1@gmail.com Mob : 9628953010/6393225101

❁ معهد حليمه سعدية للبنات حلیمہ نگر، لوٹن روڈ، کولہوئی بازار، مہراج گنج، یوپی، انڈیا

❁ كلية البنات المسلمات انتری بازار، شہرت گڑھ، سدھارتھ نگر، یوپی، انڈیا

فہرست عناوین

عرضِ مترجم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علىٰ خير خلقه محمد وعلىٰ آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلىٰ يوم الدين. أما بعد :

اسلام کامل و مکمل نظامِ حیات اور ایک فطری دین ہے، اس کے اندر عبادت و بندگی کے علاوہ تجارت و معیشت اور جملہ معاملاتِ زندگی سے متعلق مستحکم اصول و ضوابط اور تسلی بخش ہدایات و رہنمائی پائی جاتی ہیں، یہ آسانی کا مذہب ہے اور اپنے ماننے والوں کو بھی اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ وہ آپس میں مل جل کر رہیں، کوئی کسی پر ظلم کرے نہ کسی کی عزت اچھالے، بلکہ ایک دوسرے کے ہمدرد و بہی خواہ اور بھائی بھائی بن کر امن و شانتی کے ساتھ زندگی گزاریں۔

موجودہ دور میں ظلم و بربریت پر مبنی "**سود**" نے تجارت اور کاروبار کی دنیا میں بنیادی ستون کی حیثیت حاصل کر لی ہے، جس سے بچنا ایک مسلمان کے لیے انتہائی مشکل ترین معاملہ ہو گیا ہے، پھر بھی مسلمان ہونے کے ناتے سے ہماری ذمہ داری ہے کہ ممکنہ حد تک ہم ہر طرح کی سودی تجارت و لین دین سے پرہیز کریں، سودی مال کھانے سے بچیں اور مشتبہ امور و معاملات سے بھی دوری اختیار کریں۔

اس وقت پوری دنیا میں قسطوں کا کاروبار عام ہو چکا ہے، بنیادی ضرورتوں کے سوا عیش و عشرت کا سامان بھی معمولی پیشگی رقم دے کر حاصل کیا جا سکتا ہے اور عام لوگ اس طرح کی خریداری میں بڑھ چڑھ کر حصہ بھی لیتے ہیں، جب کہ اس طرح کی تجارت میں محض اُدھار اور تاخیر سے ادا کرنے کی وجہ سے موجودہ رِیٹ و قیمت سے زائد قیمت وصول کیا جاتا ہے اور متعینہ مدت سے مؤخر ہونے پر مزید در مزید اضافی رقم کا بھی مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اس طرح کا کاروبار علماء و فقہاء کے یہاں مختلف فیہ رہا ہے، مگر اس سلسلے میں واضح نص ہونے کی وجہ سے اس کا حرام ہونا اور قیمت سے زائد رقم کا سود ہونا راجح ہے، اس سلسلے میں وارد حدیث پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے محدث دوراں علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”میرے مسلمان بھائی! آپ جان لیں! آج کل قسطوں پر تجارت کا جو یہ لین دین تاجروں میں عام ہو چکا ہے کہ اُدھار کے بدلے میں اضافی رقم لیتے ہیں اور اُدھار کی مدت جتنی لمبی ہوتی جاتی ہے اضافی رقم اور بڑھا دیا جاتا ہے، ایک دوسرے ناحیے سے بھی غیر شرعی ہے، یہ روحِ اسلام کے منافی ہے، اسلام تو اس بنیاد پر قائم ہے کہ لوگوں کے ساتھ آسانی کی جائے، ہمدردی کا معاملہ کیا جائے اور انھیں راحت پہنچائی جائے، جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ((رَحِمَ اللَّهُ عَبْدًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ، وَإِذَا اشْتَرَى، وَإِذَا اقْتَضَى)) ”اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جو بیچتے، خریدتے اور قرض کا تقاضا کرتے وقت نرمی کرے۔“ [صحیح بخاری: ۲۰۷۶، ابن ماجہ: ۲۲۰۳] نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ((مَنْ كَانَ هَيِّنًا لَيِّنًا قَرِيْبًا، حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ)) ”جو کوئی شخص آسانی کرتا ہے، نرمی سے پیش آتا ہے اور لوگوں کے قریب رہتا ہے اللہ اسے جہنم پر حرام کر دے گا۔“ [اسے امام حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے، اس کی تخریج کے لیے دیکھیے: سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۹۳۸] لہٰذا اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتے ہوئے موجودہ قیمت کے مطابق اُدھار یا قسطوں پر سامان فروخت کرتا ہے تو یہ اس کے لیے فائدہ مند تجارت ہے، حتیٰ کہ مادی و مالی اعتبار سے بھی نفع بخش ہے، اس کی وجہ سے وہ لوگوں میں مقبول ہوگا، لوگ اس سے خریداری کریں گے اور اللہ تعالیٰ بھی اس کے رزق میں برکت عطا فرمائے گا، جیسا کہ اللہ عزوجل کے اس فرمان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے: ﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ ”اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے گا اور اسے رزق دے گا جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا۔“ [الطلاق: ۲ - ۳] [دیکھیے: سلسلة الأحاديث الصحيحة ٥ / ٤٢٦]

زیرِ نظر کتاب کا تعلق بھی اسی موضوع سے ہے یعنی اس کتاب میں اضافی رقم پر

مشتمل بیعِ اَجل کے سلسلے میں نہایت تشفی بخش مدلل گفتگو کی گئی ہے۔ عرصہ ہوا ناچیز سود کے موضوع پر ایک مقالہ تحریر کر رہا تھا، اسی سلسلے میں ''ربا النسیئۃ'' کی تحقیق و جستجو کے دوران زیرِ مطالعہ کتاب بھی سامنے آئی، جس کی جانب قارئین کو رجوع کرنے کی نصیحت شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز تصنیف ''سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ'' جلد پنجم میں فرمائی ہے اور اسے اپنے باب میں یکتا اور اپنے موضوع میں مفید کتاب قرار دیا ہے۔ چوں کہ لین دین کا یہ معاملہ ہمارے یہاں بھی بہت عام ہے اور کسی بنیادی ضرورت کے بغیر ہی لوگ اس طرح کی خریداری کرتے ہیں، اس لیے میں نے کتاب کا سرسری مطالعہ کرنے کے بعد اسے اردو قالب میں ڈھالنے کا عزم کیا تاکہ اردو داں قارئین بھی اس سے مستفید ہوں اور اپنے تمام معاملات میں حرام سودی لین دین سے بچ سکیں۔ اللہ ہماری رہنمائی فرمائے۔ آمین!

پیشِ نظر کتاب دراصل ''القول الفصل فی بیع الاجل'' نامی کتاب کا اردو ترجمہ ہے، جس کے مصنف کویت کے نامور و جید عالم دین علامہ عبد الرحمٰن عبد الخالق رحمہ اللہ ہیں، جن کی پیدائش ۵ / نومبر ۱۹۳۹ء مطابق ۲۳ / رمضان ۱۳۵۸ھ میں مصر کے اندر ہوئی، آپ نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے کلیۃ الشریعۃ سے عالمیت کی ڈگری حاصل کی اور پھر ۱۹۶۵ء سے لے کر ۱۹۹۰ء تک کویت ہی کے کئی مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں اور اس کے بعد جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت سے منسلک ہوگئے، ۳۱ / اکتوبر ۲۰۱۱ء کو کویتی امیر کے حکم سے آپ کو کویتی جنسیت حاصل ہوئی۔ آپ نے مختلف موضوعات پر تقریباً ساٹھ کتابیں تحریر فرمائیں، جن میں سے بعض کتابوں کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ شیخ رحمہ اللہ کے اندر طبعاً بے باکی و حق گوئی تھی، یہی وجہ ہے کہ وہ برابر حق کی حمایت میں اور ظلم کے خلاف آواز بلند کرتے رہتے تھے، پوری دنیا میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو اس پر پوری بے باکی سے گفتگو کرتے اور ان کے مسائل کو عالمی پیمانے پر اٹھاتے تھے۔ آپ کی وفات ۲۹ / ستمبر ۲۰۲۰ء مطابق ۱۲ / صفر ۱۴۴۲ھ بروز منگل ''الصباح'' نامی ہاسپٹل میں دل کا دورہ پڑنے کی وجہ سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی جملہ خدمات کو قبول فرمائے اور اس کتاب سمیت آپ کی

لکھی ہوئی سبھی کتابوں کو آپ کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین!

کتاب کی ترجمانی کے لیے آسان اسلوب اپنایا گیا ہے اور اسے سلیس و آسان اردو زبان میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے، بے جا طور پر مصنف کی رائے کو دوسری جانب پھیرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے اور مصنف کی رائے کو بعینہ بہتر انداز میں پیش کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، میں اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوں اس کا فیصلہ قارئین کرام اور اہلِ علم ہی فرمائیں گے۔ پھر بھی تمام تر کوششوں کے باوجود خطا و نسیان کا امکان ہے، اس لیے خوانندگانِ کتاب سے بصد خلوص و احترام گزارش ہے کہ جس کسی کو پوری کتاب میں جہاں کہیں بھی کوئی کمی نظر آئے تو مجھے ضرور اس سے باخبر کریں تاکہ اس کی اصلاح کی جاسکے اور وہ خود عنداللہ ماجور ہوں۔

میں اللہ رب العالمین کا بے پایاں احسان مند و شکر گزار ہوں اور اس کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں کہ محض اس کی توفیق و مدد سے ترجمے کا یہ کام مکمل ہو پایا۔ اللہ رب العزت اسے اپنے لیے خالص بنائے اور مجھ سمیت تمام مسلمانوں کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! اسی کے ساتھ میں اپنے تمام احباب و معاونین بالخصوص فاضل گرامی فضیلۃ الشیخ شفیق الرحمان ضیاء اللہ مدنیؔ حفظہ اللہ اور عزیزی حافظ محبوب عالم عبد السلام سلفیؔ مدیر مکتبۃ السلام انتری بازار، سدھارتھ نگر وغیرہ کا بھی بصد خلوص واحترام شکر گزار ہوں کہ جن کی معاونت سے یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچی اور جنھوں نے از اول تا آخر بنظرِ غائر کتاب کا مراجعہ کیا اور اس کے سنوارنے میں اہم ذمہ داری نبھائی۔ اللہ انھیں اجرِ جزیل سے نوازے اور دنیا و آخرت کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین!

اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو شرفِ قبولیت بخشے، اسے مؤلف رحمہ اللہ سمیت میرے لیے، میرے والدین و اولاد اور میرے تمام متعلقین و احباب اور جملہ معاونین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین!

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعاؤں کا طالب
جمشید عالم عبد السلام سلفیؔ
abuafaf9@gmail.com

۳۰/ دسمبر ۲۰۲۱ء مطابق ۲۵/ جُمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ

مقدمۂ مؤلف

ہر قسم کی حمد و ثنا اس بزرگ و برتر اللہ کے لیے ہے، جس نے اپنے فضل و کرم سے حلال کو حلال اور اپنے عدل و حکمت سے حرام کو حرام ٹھہرایا۔ درود و سلام کا نذرانہ پیش ہو اس کے برگزیدہ رسول اور چنندہ بندے محمد (ﷺ) بن عبد اللہ پر، ان کے اہل وعیال اور جماعت پر اور اُن تمام لوگوں پر جو قیامت تک ان کی راہ پر چلنے والے اور ان کی پیروی کرنے والے ہیں۔

حمد و صلاۃ کے بعد عرض ہے: یقیناً دورِ قدیم ہی سے نقدی کے مقابلے میں اضافی قیمت پر مشتمل اُدھار کی تجارت کے بارے میں علمائے امت کا اختلاف چلا آرہا ہے اور موجودہ دور میں بھی ہم اس بارے میں اختلاف سنتے آ رہے ہیں۔ اس بیع سے متعلق وارد منع کی حدیث اور خود اس بیع کے بارے میں جب سے مجھے دینی سوجھ بوجھ حاصل ہوئی ہے، ذاتی طور پر میرے دل میں یہ مسئلہ کھٹکتا رہا ہے، لیکن جب میں نے اپنے اساتذۂ کرام میں سے بڑے بڑے علمی شیوخ کو اس بیع کے حلال ہونے کا فتویٰ دیتے ہوئے پایا تو مجھے ان کی مخالفت کرنا بڑا بھاری محسوس ہوا اور مجھے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ شاید حدیث کا مفہوم وہ نہیں ہے، جو میں نے سمجھا ہے۔ لہٰذا میں نے علمائے کرام کی عقل و قیاس کے سامنے اپنی عقل و قیاس کو متہم گردانا اور اسی شش و پنج میں میرے بیس سال بلکہ اس سے زائد کا عرصہ گزر گیا اور جب جب مجھ سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا یا جب بھی یہ مسئلہ میرے ذہن میں آیا تو میں نے اس کے مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کیا اور بحث و کرید میں لگا رہا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ میری رہنمائی فرمائے، مجھے درستی کی توفیق دے، اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے میرے سینے کو کھول دے اور مجھے اس بیع کی حقیقت کو سمجھنے کی توفیق دے۔ آمین!

اس دوران میں جب جب مجھ سے اس مسئلہ کے بارے میں سوال کیا گیا میں نے سوال کو دوسروں کی جانب پھیر دیا تاکہ میں اس فتویٰ کی ذمہ داری سے بچ سکوں، جس کے بارے میں مجھے یقین و اطمینان نہیں حاصل ہے۔ الحمدللہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان: ((دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ)) "وہ چیز چھوڑ دو، جو تمھیں شک میں مبتلا کرے

اور اس چیز کو اپناؤ، جو تمھیں شک میں نہ ڈالے۔" [ترمذي: ۲۵۱۸، نسائي: ۵۷۱۱، مسند أحمد: ۱۷۲۳، والبخاري معلقًا] پر عمل کرتے ہوئے میں اپنی تمام تر خرید و فروخت میں اس طرح کا معاملہ نہ کرنے کا التزام کرتا رہا۔

الحمد للہ، اللہ کی توفیق سے اس وقت میں اس یقین کی حد تک پہنچ چکا ہوں اور دلائل و براہین کی بنیاد پر اس یقینی علم کو پا لیا ہوں، جس سے اعراض کرنا میرے لیے جائز نہیں اور جس کی نشر و اشاعت کرنا مجھ پر ضروری ہے، تاکہ اللہ کے نزدیک میں اپنی ذمہ داری اور اپنے فرض کی ادائیگی سے سبک دوش ہوسکوں اور اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ خیر خواہی کرتے ہوئے اُنھیں تجارت کے نام پر سود میں واقع ہونے سے بچا سکوں۔

اس مختصر کتاب کے اندر اس مسئلے سے متعلق جواز کے قائلین علمائے کرام کی آراء و خیالات اور اس سلسلے میں ان کے دلائل و براہین کو پیش کرنے کی اِن شاء اللہ میں بھر پور کوشش کروں گا، بلکہ اس مسئلے میں جسے میں جواز کی دلیل سمجھتا ہوں اسے بھی پیش کروں گا اور پھر ان تمام دلائل اور شبہات کا جائزہ لوں گا اور ہر ایک دلیل و شبہے پر بحث کروں گا تاکہ عذر ختم ہو جائے اور حقیقتِ امر اس طرح نکھر کر سامنے آ جائے کہ اس معاملے کے تمام پہلو واضح ہو جائیں اور کسی معترض کے لیے بامقصد درست اعتراض کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور سب سے پہلے میں دعا گو ہوں کہ وہ میرے اس عمل کو اپنے لیے خالص بنائے، مسلمانوں کو رشد و ہدایت اور راہِ حق کی توفیق دے، ان کے اموال اور نفوس کو پاک و صاف کر دے، ہمیں حق کو حق سمجھنے اور اس کی پیروی کرنے نیز باطل کو باطل سمجھنے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! یقیناً وہی خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

عبد الرحمان عبد الخالق (کویت)

۵/ ذی الحجہ بروز بدھ ۱۴۰۵ھ

مطابق: ۲۱ / اگست ۱۹۸۵ء

باب اوّل :

بیعِ اَجل (اُدھاری کاروبار) سے ہماری مراد کیا ہے؟

ہر طرح کی تجارت حلال نہیں ہے :

یہ معلوم بات ہے کہ قرآن و سنت اور اجماعِ امت کی رُو سے بیع یعنی خرید و فروخت پر مشتمل تجارت حلال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ "اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔" [البقرۃ : ۲۷۵] نیز اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا : ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ﴾ "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے مالوں کو آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ تمھاری آپس کی رضا مندی سے تجارت کی کوئی صورت ہو۔" [النساء : ۲۹]

اور یہ بھی معلوم بات ہے کہ تجارت اسی وقت حلال ہوگی، جب اس کی شرطیں مکمل ہوں گی اور اس میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں پائی جائے گی۔ مثلاً : آپسی رضامندی، خرید و فروخت کرنے والے دونوں فریق کے لیے قیمت اور سامان کا متعین ہونا، بیچنے والے کا سامان کو اپنے قبضے میں رکھنے پر قادر ہونا اور بیچنے سے پہلے اسے اپنی ملکیت میں رکھنا، سامان کے اندر کسی طرح کی کمی اور عیب کا نہ پایا جانا، بیع اس طرح منعقد ہو کہ خرید و فروخت کرنے والے دونوں فریق جب تک مجلسِ بیع میں ہوں انھیں رجوع کرنے اور پیچھے ہٹنے کا اختیار حاصل ہو اور اس بیع میں سود کا شائبہ نہ پایا جاتا ہو، جیسے بیع عِینہ وغیرہ، اس بیع کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ إن شاء الله

غرض کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان : ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ﴾ "اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے۔" [البقرۃ : ۲۷۵] کا اطلاق عام نہیں ہے [کہ ہر طرح کی بیع حلال ہے۔] جیسا

کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیع و تجارت کو اُن شروط و مواصفات کے ساتھ حلال کیا ہے، جن کا بیان قرآنی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں ہوا ہے۔ بات یہ نہیں ہے کہ جسے لوگ تجارت کا نام دے لیں وہ حلال ہے، بلکہ وہ تجارت حلال ہے، جو ان شروط ومواصفات کے موافق ہو، جنھیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مشروع قرار دیا ہے اور دھوکا و فریب یا سود پر مشتمل تجارت کو حرام قرار دیا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے بیعِ منابذہ اور بیعِ ملامسہ [1] وغیرہ سے روکا ہے، جو تجارت کی باطل شکلیں ہیں اور زمانۂ جاہلیت میں رائج تھیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے تیس سے زائد فاسد تجارت کی شکلوں سے منع فرمایا ہے۔

بیعِ اجل کی قسمیں:

عمومی طور پر تجارت کی دو قسمیں ہیں : ایک بیعِ ناجز ہے یعنی حاضر مال نقدی قیمت سے بیچنا اور دوسری قسم بیعِ مؤجل ہے یعنی اُدھار پر مشتمل تجارت۔

بیعِ ناجز : بیعِ ناجز کا مطلب یہ ہے کہ بیچنے اور خریدنے والے کے درمیان ایک ہی وقت میں دست بدست تبادلے کی کارروائی ہو، تبادلے سے ہماری مراد قیمت اور سامان کا تبادلہ ہے یا پھر سامان کے بدلے میں سامان کا تبادلہ ہے، جیسے گیہوں کے بدلے میں گیہوں یا کھجور کے بدلے میں گیہوں کا تبادلہ وغیرہ اور اس کی دو صورتیں ہیں: ایک مشروع صورت ہے اور دوسری حرام صورت ہے۔

(الف) حرام صورت : ایک ہی جنس کی خرید و فروخت کسی جانب سے اضافے کے ساتھ ہو، مثلاً : کھجور کے بدلے میں کھجور یا سونے کے بدلے میں سونے یا چاندی کے بدلے میں چاندی وغیرہ چند معلوم اصناف کی باہمی خرید و فروخت اور تبادلہ اضافے کے ساتھ ہو، جیسا کہ حدیث میں اس کی حرمت وارد ہے۔

[1] بیعِ منابذہ یہ ہے کہ بیچنے والا خریدار کی طرف سامان پھینک دے اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھے بغیر سودا طے ہو جائے۔ بیعِ ملامسہ یہ ہے کہ سامان کو کھول کر دیکھنے کے بجائے محض چھولینے سے سودا طے ہو جائے۔ بیع کی یہ دونوں جاہلی صورتیں دھوکا اور جہالت وابہام کی وجہ سے فاسد ہیں اور نبی کریم ﷺ نے ان سے منع فرمایا ہے۔ جس بیع میں بھی مذکورہ صورت پائی جائے گی وہ حرام ہو گی۔ (مترجم)

(ب) مشروع صورت : جب اصناف مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہیں کمی و بیشی کے ساتھ ایک دوسرے سے تبادلہ اور بیع کرنا جائز ہے، مثلاً نصف ٹن کھجور کے بدلے میں ایک ٹن گیہوں کا تبادلہ وغیرہ اور یہ اس وقت تک جائز رہے گا جب تک کہ فی الفور ادائیگی ہوتی رہے گی۔

بیعِ مؤجل : یہ ہے کہ کسی چیز کے بدلے میں دی جانے والی یالی جانے والی دوسری چیز میں تاخیر پائی جائے یعنی دوطرفہ تبادلے میں کسی جانب سے اُدھار کا معاملہ ہو۔ اس کی مندرجہ ذیل کئی صورتیں ہیں، جن میں سے بعض مشروع ہیں اور بعض غیر مشروع ہیں:

(الف) مثال کے طور پر کھجور یا گیہوں وغیرہ کی خرید وفروخت دوسرے صنف کی اناج مثلاً جَو وغیرہ سے بطور اُدھار کرنا یعنی ایک جانب سے فی الفور ادائیگی ہو اور دوسری جانب سے اُدھار ہو تو بیعِ اَجل کی یہ صورت بالاتفاق جائز نہیں ہے، جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((**الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هَذِهِ الْأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ**)) (رواه الإمام أحمد ومسلم) "سونا سونے سے، چاندی چاندی سے، گیہوں گیہوں سے، جو جو سے، نمک نمک سے اور کھجور کھجور سے ایک دوسرے کے مثل برابر برابر اور دست بدست ہو اور اگر یہ اجناس مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہو بیچو، مگر وہ دست بدست ہو۔" [1]

(ب) زمین سے نکلنے والی کاشت کی گئی چیزوں یا پھلوں کی خریداری جو بروقت موجود نہ ہوں۔ اس بیع کا نام بیعِ سلم یا بیعِ سلف رکھا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسان کوئی سامان معلوم ناپ یا معلوم وزن میں بیچے کہ وہ اس کی ادائیگی کٹائی کے وقت کرے گا اور خریداری کے وقت ہی فی الفور اس کی قیمت اخذ کر لے۔ اُدھار کی یہ بیع ایک سال کے

[1] مسند احمد : ۲۲۷۲۷، صحیح مسلم : ۱۵۸۷

لیے ہو یا دو سال کے لیے ہو یا اس سے زائد سالوں کے لیے ہو، جائز ہے، جیسا کہ متفق علیہ حدیث میں یہ بات موجود ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ پہنچے اور اہلِ مدینہ پھلوں میں ایک سال کے لیے یا دو سال کے لیے ادھار کرتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ أَسْلَفَ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ، وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ)) (رواه الجماعة) "جو شخص سلف یعنی اُدھار سودا کرے تو اسے چاہیے کہ وہ معلوم ناپ، معلوم وزن اور معلوم مدت تک سودا کرے۔" [1]

(ج) سامانِ تجارت کو درہم و دینار یا روپے پیسے کے بدلے میں اس طرح فروخت کیا جائے کہ خریدار خریداری ہی کے وقت میں فی الفور سامان حاصل کر لے اور اس کی قیمت ادھار کر دے۔اس طرح کے خرید و فروخت کی دو قسمیں ہیں:

❶ **پہلی قسم** یہ ہے کہ سامان کی صرف ایک ہی قیمت ہو، خواہ خریدار فی الفور اس کی ادائیگی کرے یا ادائیگی میں تاخیر کرے۔ چناں چہ سامان کی جو قیمت نقدی ادائیگی میں ہو وہی قیمت اُدھار کی وجہ سے تاخیر سے ادا کرنے کی صورت میں بھی ہو۔ اُدھار یا قسطوں کے کاروبار کی یہی صورت مشروع ہے۔

❷ **دوسری قسم** یہ ہے کہ سامان کی دو قیمتیں مقرر ہوں، ایک اُدھار کی قیمت اور ایک نقد کی قیمت۔ خریدار سے کہا جائے: سامان کی موجودہ قیمت یہ ہے، ایک سال کی ادائیگی کی صورت میں اس کی قیمت اس طرح ہے اور تین سال کی ادائیگی کی صورت میں اس کی قیمت اس طرح ہوگی۔بیع کی اسی صورت میں اختلاف ہے اور یہی اس کتاب کا موضوع بھی ہے۔

---

[1] صحيح البخاري : ٢٢٤٠، صحيح مسلم : ١٦٠٤، سنن أبي داؤد : ٣٤٦٣، سنن نسائی : ٤٦١٦، جامع ترمذي : ١٣١١، ابن ماجة : ٢٢٨٠، دارمي : ٢٦٢٥، مسند أحمد : ١٩٣٧

باب دوم :

اضافی قیمت پر مشتمل بیعِ اَجل کو جائز کہنے والوں کے دلائل

اُدھاری خرید و فروخت میں ایک مدت تک اُدھار رکھنے کی وجہ سے اضافی قیمت لینے کو جائز کہنے والوں نے کئی ایک دلیلوں سے استدلال کیا ہے، جسے ہم آپ کے سامنے تفصیل سے ذکر کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں ہم ان تمام دلائل کو بیان کریں گے، جن سے موجودہ دور کے لوگوں نے یا پہلے کے لوگوں نے استدلال کیا ہے:

پہلی دلیل: اباحتِ اصلیہ

جواز کے قائلین کا کہنا ہے کہ : اشیاء و معاملات میں اصل اباحت ہے اور دیگر معاملات کی طرح اُدھار کی تجارت بھی ایک طرح کا معاملہ ہے، اس لیے یہ مباح ہے۔ ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ : اس بیع کے حرام ہونے پر کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی ہے، اس لیے وہ اپنی اصل اباحت پر برقرار ہے۔

دوسری دلیل: اباحتِ شرعیہ

ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ : ایسی قرآنی آیات وارد ہوئی ہیں، جو اس بیع کو مباح قرار دیتی ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ﴾ ”اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے۔“ [البقرۃ : ۲۷۵] چناں چہ ان کی رائے کے مطابق اضافہ پر مشتمل اُدھار کی یہ بیع بھی دیگر بیوع و تجارت کی طرح ہے، اس لیے یہ بھی حلال ہے جب تک کہ اس کے حرام ہونے پر کوئی دلیل نہ آ جائے۔

تیسری دلیل: عقلی قیاس

ان کا کہنا ہے کہ : بے شک عقلی قیاس اس بیع کے مباح ہونے کا تقاضا کرتا ہے، اس لیے کہ تاجر آزاد ہے، وہ اپنے سامان کو جتنی قیمت پر چاہے بیچے۔ کبھی وہ کسی کے لیے سامان

کا ریٹ گھٹا دیتا ہے اور کبھی کسی دوسرے کے لیے بڑھا دیتا ہے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے جب تک باہمی رضامندی پائی جائے۔ اسی طرح تاخیر سے ادا کرنے کی وجہ سے بائع کے لیے سامان کی قیمت میں اضافہ کرنا بھی جائز ہے، وہ یہ کہہ سکتا ہے: میں اس سامان کو نقد دس روپے میں بیچوں گا اور ایک سال کے لیے اُدھار پر بارہ روپے میں بیچوں گا۔

چوتھی دلیل: شرعی قیاس

ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ شرعی قیاس اس بیع کو جائز قرار دیتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیعِ سلم کو مباح قرار دیا ہے، جس میں قیمت کو پہلے ہی نقد کی شکل میں ادا کیا جاتا ہے اور سامان کو بعد میں تاخیر سے وصول کیا جاتا ہے۔ وہ لوگ کہتے ہیں: یہ معلوم بات ہے کہ جو شخص نقد قیمت کے عوض میں غیر موجود سامان کو خریدتا ہے وہ سامان کو ایک سال یا دو سال یا اس سے زائد سالوں کے بعد وصول کرتا ہے اور اسے ایسی قیمت پر خریدتا ہے، جو معاہدۂ بیع کے وقت کی خریداری قیمت کی بہ نسبت بہت کم نفع بخش ہوتا ہے۔ ایسے ہی قیمت کی ادائیگی میں تاخیر کرنے والے کا معاملہ ہے کہ وہ موجودہ قیمت کی بہ نسبت کچھ زائد ادا کرتا ہے، اس لیے کہ تاجر تاخیر کی ادائیگی پر صبر سے کام لیتا ہے۔ان کا کہنا ہے: بیعِ سلم مکمل طور پر بیعِ اَجل کی معکوس صورت ہے۔

پانچویں دلیل: آیتِ دَین

جواز کے قائلین نے آیتِ دَین سے بھی استدلال کیا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾ ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب تم آپس میں ایک دوسرے سے کسی مقرر مدت تک قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا لو۔“ [البقرۃ: ۲۸۲]

ان کا کہنا ہے: یہ آیتِ کریمہ بیعِ اَجل کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے مباح قرار دیا ہے اور میعادی قرض کو لکھنے کا حکم دیا ہے۔میں کہتا ہوں کہ یہ ان کا نہایت تعجب خیز استدلال ہے۔

چھٹی دلیل: ان کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُدھار خریداری کی ہے

جواز کے قائلین نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود بنفس نفیس اس بیع کو اختیار فرمایا ہے۔ ان لوگوں نے صحیح بخاری وغیرہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے، جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی سے اُدھار اناج خریدا اور اس کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی۔(رواه البخاري) [1]

ساتویں دلیل: ان کا کہنا ہے کہ بلا شبہ رسول اللہ ﷺ نے بطور اُدھار دو اونٹوں کے عوض میں ایک اونٹ خریدا تھا

اسی طرح ان لوگوں نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے، جسے امام احمد، ابو داؤد اور دارقطنی وغیرہ نے سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے میرے پاس موجود [صدقہ کے] اونٹوں پر سوار کر کے ایک لشکر بھیجنے کا حکم دیا۔ وہ کہتے ہیں: میں نے ان پر لوگوں کو سوار کیا یہاں تک کہ اونٹ پورے ہو گئے اور کچھ لوگ باقی بچ رہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اونٹ پورے ہو گئے اور کچھ لوگ باقی رہ گئے ہیں، ان کے لیے کوئی سواری نہیں ہے؟ تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ((**ابْتَعْ عَلَيْنَا إِبِلًا بِقَلَائِصَ مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ إِلَى مَحِلِّهَا، حَتَّى نُنَفِّذَ هَذَا الْبَعْثَ**)) "ہمارے لیے صدقہ کی اونٹنیوں کے آنے تک ان کے عوض میں اونٹ خرید لو، تاکہ یہ لشکر تیار ہو جائے۔" وہ کہتے ہیں: پھر میں نے صدقے کے اونٹ آنے تک صدقے کی دو دو اور تین تین اونٹنیوں کے عوض میں ایک ایک اونٹ خریدا، حتیٰ کہ میں نے وہ لشکر تیار کر دیا۔ (رواه الإمام أحمد وأبو داؤد والدارقطني) [2] جب رسول اللہ ﷺ نے بطور اُدھار دو اونٹوں کے بدلے میں ایک اونٹ

[1] صحيح البخاري: ٢٢٠٠، صحيح مسلم: ١٦٠٣

[2] مسند أحمد: ٧٠٢٥، أبو داؤد: ٣٣٥٧، دارقطني: ٣٠٣٣

خریدنے کو جائز قرار دیا ہے تو بیعِ اَجل (ادھار کی تجارت) کے اندر درہم و دینار یعنی روپے وغیرہ میں اضافہ کرنا بھی جائز ہوگا۔

آٹھویں دلیل: ان کا کہنا ہے کہ اس میں آسانی اور فائدہ ہے

اسی طرح ان لوگوں کا استدلال یہ بھی ہے کہ قیمت میں اضافہ پر مشتمل اُدھار تجارت کے اندر بائع اور مشتری دونوں کے لیے آسانی اور سہولت پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے غریب و تنگ دست خریدار معمولی پیشگی رقم یا پیشگی رقم کے بغیر بھی سامان خرید سکتا ہے اور پھر اپنی آسانی کے اعتبار سے قسطوں میں قیمت کو ادا بھی کر سکتا ہے یا پھر میسر ہو جانے تک میعادی ادائیگی کے وقت یک مُشت میں ادا کر سکتا ہے اور بیچنے والا بھی تجارت کا فائدہ اٹھا لیتا ہے اور اپنے توقف اختیار کرنے نیز خریدار کو مہلت دینے کے عوض میں کچھ اور اضافی فائدہ حاصل کر لیتا ہے۔اس طرح ہر کسی کو فائدہ حاصل ہو جاتا ہے اور دین آسانی کا نام ہے۔

نویں دلیل: ان کا کہنا ہے کہ اُدھار بیچنے والا شخص خطرہ مول لینے والا ہوتا ہے

انھوں نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ جو تاجر اپنا سامان اُدھار فروخت کرتا ہے وہ اپنے مال کو خطرے میں ڈالنے والا ہوتا ہے، کیوں کہ وہ ایسے شخص کو مال دیتا ہے، جو قیمت ادا کرنے سے عاجز ہوتا ہے اور پھر اس کے حالات کی درستی تک انتظار کرتا ہے، لہٰذا قیمت کا یہ اضافہ معقول ہے اور یہ زائد رقم خطرے کو برداشت کرنے اور انتظار کرنے کے مقابلے میں ہوتی ہے۔

دسویں دلیل: ان کا دعویٰ ہے کہ اس بیع کی ممانعت پر دلالت کرنے والی حدیث توضیح طلب ہے

انھوں نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ وہ حدیث جس کے اندر ایک سودے میں دو سودا کرنے سے منع کیا گیا ہے، حرمت پر دلالت کرنے میں واضح نص نہیں ہے، بلکہ وضاحت طلب ہے۔حدیث کا متن حسب ذیل ہے:

((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا)) "جس شخص نے ایک سودے

میں دو سودے کیے تو اس کے لیے ان میں سے یا تو کم قیمت ہے یا سود ہے۔“ (اس حدیث کی روایت امام احمد، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے کی ہے، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، شیخ البانی نے اسے صحیح الجامع : ۵۹۹۲ میں ذکر کر کے فرمایا: ”حسن ہے، میں نے اس کی تخریج سلسلہ صیحہ : ۲۳۲۶، ارواء الغلیل : ۱۲۹۵ اور أحادیث البیوع میں کی ہے۔“)

ان کا کہنا ہے کہ علماء نے اس کی تشریح و وضاحت اس طرح کی ہے کہ اس سے مراد بیع عِینہ ہے یا پھر اس سے مراد یہ ہے کہ خریدار کہے : میں اپنی گاڑی تم سے اس شرط پر بیچوں گا کہ تم اپنی گاڑی مجھ سے بیچ دو۔ اور جب اس حدیث کی تشریح میں یہ بات کہی جائے کہ : بیچنے والا یہ کہے : یہ سامان نقداً دس روپے میں ہے اور اُدھار بارہ روپے میں ہے تو اس سے مراد اس قسم کی بیع سے روکنے کی وجہ قیمت کا مجہول ہونا ہوگا اور اگر بائع اور مشتری کی علاحدگی دونوں کے بیچ معاہدۂ بیع ایک مقررہ مدت تک کے لیے ادا کرنے پر طے ہونے کے بعد ہو تو یہ بیع درست ہوگی۔

گیارہویں دلیل: ان کا دعویٰ ہے کہ جمہور علماء اس کے جواز پر متفق ہیں

اُدھار کی اس بیع کو حلال قرار دینے کے لیے آخری دلیل، جس سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے، ان کا یہ قول ہے : امت کے اہلِ علم کی اکثریت اس بیع یعنی خریداری کے وقت سامان کی جو قیمت ہے اُدھار کی صورت میں اس سے زائد رقم وصول کرنے کے حلال ہونے پر متفق ہے۔ ان کا کہنا ہے : بہت کم لوگوں نے اس بیع کی مخالفت کی ہے، لہٰذا انتہائی کم لوگوں کے اختیار کردہ مذہب کے مقابلے میں اکثریت کے مذہب کو ہم کیسے ترک کر دیں گے؟

اضافہ پر مشتمل اُدھار کی بیع کو حلال قرار دینے والوں کے دلائل کا مکمل خلاصہ اوپر بیان کر دیا گیا۔ آیئے اب ہم ان کے بیان کیے ہوئے ہر ایک دلیل کا جائزہ لیتے ہیں۔

باب سوم :

جائز کہنے والوں کے دلائل کا جائزہ اور ان کے شبہات کا ازالہ

① اباحتِ اصلیہ:

ان کا کہنا ہے کہ اباحتِ اصلیہ ایک شرعی دلیل ہے۔ یہ صحیح ہے اور اس کے درست ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، کیوں کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ ہاں! یقینی طور پر یہ بات درست ہے، البتہ اباحتِ اصلیہ کے برخلاف اس بیع کے حرام ہونے پر رسول اللہ ﷺ کی حدیث موجود ہے۔ (جس کی تشریح و تفصیل آگے آرہی ہے۔) اسی طرح اس سلسلے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا قول بھی وارد ہے، جن کا کوئی مخالف نہیں ہے، اسی طرح قیاسِ صحیح بھی ہے، جس کی تردید و مخالفت نہیں کی جا سکتی ہے، اسی طرح سد الذرائع بھی اس کے خلاف ہے اور یہ سارے منقولہ دلائل اس براءتِ اصلیہ کے دعوے کے خلاف ہیں۔ آئندہ صفحات میں ہر ایک کی تفصیل پیش کی جائے گی۔

② اباحتِ شرعیہ:

جواز کے قائلین کا یہ کہنا کہ یہ بیع شریعت کے عام نصوص میں شامل ہے، مثلاً فرمانِ الٰہی : ﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ﴾ ”اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے۔“ [البقرۃ : ۲۷۵] کے عموم میں یہ بیع داخل ہے، لہٰذا یہ اس وقت تک حلال ہے، جب تک کہ باہمی رضا مندی سے یہ معاملہ طے ہو۔ ہاں! یہ بات تو درست ہے کہ یہ بیع ہے، لیکن حلال بیع نہیں ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے حرام قرار دیا ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ ہر بیع حلال نہیں ہے، کیوں کہ دسیوں فاسد بیوع سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، مثلاً : بیعِ عینہ، کنکریوں والی بیع، بیعِ منابذۃ، جو چیز اپنے پاس موجود نہ ہو اس کی بیع، دھوکے والی بیع اور جانوروں میں حمل کے حمل کی بیع وغیرہ۔ اللہ رب العالمین نے تو لوگوں کے مالوں میں سے باطل طریقے سے اینٹھ کر ہر طرح کے کھانے کو حرام قرار دیا ہے، خواہ اس کا نام بیع ہی

کیوں نہ رکھ دیا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ﴾ "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے مالوں کو آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ تمھاری آپس کی رضا مندی سے تجارت کی کوئی صورت ہو۔" [النساء: ۲۹]

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ﴾ کی عمومیت کو دسیوں خاص کرنے والی دلیلوں نے خاص کر دیا ہے اور اُنہی مخصوص بیوع میں سے خریداری کے وقت کی قیمت کے بالمقابل اضافہ پر مشتمل اُدھار بیع کا حرام ہونا بھی ہے، جس کی حرمت و خرابی کو یہاں ہم بیان کر رہے ہیں۔

(3) عقلی قیاس:

رہا ان کا یہ کہنا: بے شک عقلی قیاس اس بیع کے مباح ہونے کا تقاضا کرتی ہے، اس لیے کہ تاجر آزاد ہے، وہ اپنے سامان کو جتنی قیمت پر چاہے بیچے، لہٰذا کبھی وہ کسی کے لیے سامان کا ریٹ گھٹا دیتا ہے اور کبھی کسی دوسرے کے لیے بڑھا دیتا ہے۔ اسی طرح اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ تاخیر سے ادا کرنے والے کے لیے قیمت کو بڑھا دے اور فوری ادا کرنے والے کے لیے قیمت کو گھٹا دے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسی عقل کے لیے جائز و مباح ہے، جو شرع کی پابند نہیں ہے اور ایسی عقل شریعت کے جائز و ناجائز امور کے درمیان تفریق نہیں کر سکتی ہے۔ ہاں! یہ بات ضرور ہے کہ فروخت کے وقت تاجر جس قیمت پر چاہے سامان بیچے جائز ہے، چناں چہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی آدمی کی دوستی یا اس کی غربت کی وجہ سے ریٹ کم کر دیتا ہے اور کبھی اپنے تھوک خریدار کے لیے قیمت کم کر دیتا ہے اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں کے لیے قیمت بڑھا دیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، تاہم محض اُدھار کی وجہ سے

رِیٹ میں اضافہ کرنا حرام ہے، اس لیے کہ حقیقت میں یہ دَین یعنی میعادی قرض کا معاملہ ہو جاتا ہے کہ اس نے قرض کا لین دین کیا ہے اور اس قرض پر کچھ صبر کرنے کی وجہ سے اضافہ وصول کر رہا ہے۔ بہر حال تاجر اگر خریدار سے کہے کہ اگر تم فوری قیمت ادا کر رہے ہو تو یہ سامان سو دینار کا ہے، لیکن اگر ایک سال کی تاخیر میں ادا کروگے تو ایک سو دس دینار دینے ہوں گے تو اس معاہدۂ بیع کی حقیقت یہ ہوگی کہ اس نے فوری سو دینار میں خرید لیا، لیکن ادائیگی کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے یہ سو دینار اس پر قرض ہو گیا، پھر بائع نے گویا اس سے یہ کہا: میں سو کی ادائیگی کے لیے تمھیں ایک سال کی مہلت اس شرط پر دیتا ہوں کہ تم مجھے دس دینار زائد ادا کروگے۔ پس بائع سامان بیچنے کے بعد سو کے بدلے ایک سو دس کا معاملہ کر کے تاجر سے منتقل ہو کر قرض پر سودی معاملہ کرنے والا ساہوکار بن گیا اور یہی تو عین سود ہے۔ لہٰذا جواز کے قائلین کا یہ کہنا کہ قیاسِ عقلی اس بیع کو مباح قرار دیتی ہے، باطل ہے، اس لیے کہ دوستی یا غربت یا کسی اور وجہ سے خریدار کے لیے سامان کے ریٹ و قیمت کو کم کر دینا شرعی اور عقلی طور پر جائز ہے، [کیوں کہ ایسی صورت میں قیمت میں کمی یا اضافہ اُدھار اور تاخیر سے ادا کرنے کی وجہ سے نہیں ہوتا ہے۔] لیکن محض اُدھار اور مؤخر کرنے کی وجہ سے قیمت بڑھانا شرعاً حرام ہے، اس لیے کہ یہ فائدہ سے جڑا ہوا اُدھار قرض ہے اور یہی تو عین حرام سود ہے۔ لہٰذا صحیح عقلی قیاس یہ ہے کہ حالیہ رِیٹ یعنی فوری قیمت سے زائد قیمت لینا عین وہی اضافی قیمت ہے، خواہ اسے تجارت کا نام دیا جائے، جسے سودی لین دین کرنے والا ساہوکار معین مدت تک قرض دے کر اپنے اصل سرمائے سے زائد وصول کرتا ہے۔

(4) شرعی قیاس:

جواز کے قائلین کا یہ کہنا: اضافہ کے ساتھ اُدھار کی بیع فی نفسہ بیعِ سلم کی طرح ہے، کیوں کہ بیعِ اَجل بیعِ سلم کی معکوس صورت ہے، بیعِ سلم میں قیمت کو پیشگی نقد کی شکل

میں ادا کیا جاتا ہے اور سامان کو بعد میں تاخیر سے وصول کیا جاتا ہے اور بیعِ اَجل میں سامان پہلے وصول کیا جاتا ہے اور قیمت بعد میں دی جاتی ہے۔

یہ قول بھی فاسد ہے اور مندرجہ ذیل کئی وجوہات کے پیشِ نظر یہ قیاس بھی باطل ہے:

(الف) بیعِ سلف یا بیعِ سلم کے مباح ہونے کی واضح نص و دلیل موجود ہے اور اس بیعِ اَجل کے حرام ہونے کی واضح نص موجود ہے، لہٰذا جسے اللہ نے حرام کیا ہے وہ اُس کے جیسا کیسے ہو سکتا ہے جسے اللہ نے مباح کیا ہو؟ پھر جس کے مشروع ہونے کی نص موجود ہو اسے اُس پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے، جس کی حرمت پر نصِ شرعی موجود ہو؟ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا)) "جس شخص نے ایک سودے میں دو سودے کیے تو اس کے لیے ان میں سے یا تو کم قیمت ہے یا سود ہے۔" (اسے ابو داؤد اور حاکم نے روایت کیا ہے۔)

عام اہلِ علم نے اس حدیث کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ بائع کہے: میں یہ سامان نقد اتنے روپے میں بیچوں گا اور اُدھار اتنے روپے میں بیچوں گا یعنی اُدھار کی صورت میں زیادہ قیمت کا طلب گار ہو اور بیعِ سلم کے مباح ہونے کے بارے میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے اور اس وقت اہلِ مدینہ پھلوں میں ایک سال کے لیے یا دو سال کے لیے ادھار (یعنی بیعِ سلف) کرتے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: **((مَنْ أَسْلَفَ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ، وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ))** (رواه الجماعة) "جو شخص سلف یعنی ادھار سودا کرے تو اسے چاہیے کہ وہ معلوم ناپ اور معلوم وزن میں معلوم مدت تک سودا کرے۔"

لہٰذا نصِ شرعی کے ذریعہ حرام کی گئی چیز کا قیاس، نصّ شرعی کے ذریعہ مباح کی گئی چیز پر کرنا جائز نہیں ہو گا، کیوں کہ نص کی موجودگی میں قیاس نہیں کیا جائے گا۔

(ب) اس بات میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ بیعِ سلم عام قاعدے سے مستثنیٰ

اور الگ ہے اور جسے عام قاعدے سے الگ رکھا گیا ہو اس پر قیاس کرنا جائز نہیں ہو گا۔

(ج) بیعِ سلم میں مدت اور اُدھار کی وجہ سے کچھ بھی مال کا اضافہ نہیں ہوتا ہے، جب کہ اضافہ پر مشتمل بیعِ اَجل میں محض وقت و مدت کی وجہ سے زائد رقم وصول کیا جاتا ہے اور یہی عین سود ہے۔ نیز بیعِ سلف کرنے والے کا مقصد فصل کی کٹائی کے وقت محض سامان کے حصول کی ضمانت لینا ہوتا ہے، گویا کہ اس بیع کا تعلق خریداری میں جلدی کرنے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے سے ہے۔ علاوہ ازیں بیعِ سلم میں کسان اور خریدار دونوں کو یقینی تحفظ و منفعت حاصل ہوتی ہے، کسان اپنی کھیتی میں خرچ کرنے کے لیے پیشگی قیمت وصول کر کے مستفید ہوتا ہے اور خریدار کٹائی کے موسم میں سامان کے حصول کی ضمانت حاصل کر لیتا ہے۔ اس طرح اس کے اندر منافع کا تبادلہ ہوتا ہے نہ کہ مدت کی وجہ سے زائد وصول کیا جاتا ہے، جیسا کہ اضافہ پر مشتمل بیعِ اَجل میں ہوتا ہے۔

(5) آیتِ دَین:

نقد قیمت کی بہ نسبت اضافہ پر مشتمل بیعِ اَجل کو جائز کہنے والوں کی دلیلوں میں سے ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾ ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب تم آپس میں ایک دوسرے سے کسی مقرر مدت تک قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔“ [البقرۃ : ۲۸۲]

یہ ان کے استدلالوں میں سے نہایت تعجب خیز استدلال ہے، کیوں کہ مروجہ بیعِ اَجل سے آیتِ کریمہ کا نہ کوئی قریبی تعلق ہے اور نہ دور کا کوئی واسطہ ہے، اس میں تو صرف قرض لکھنے اور اس پر گواہ بنانے کی وجوبیت کا حکم دیا گیا ہے، اس میں یہ بیان ہی نہیں کیا گیا ہے کہ دَین کا تعلق تجارتی قرض سے ہے یا خرید و فروخت کے قرض سے ہے یا آپسی امور میں پیشگی قرض دینے یا قرض کا معاملہ طے کرنے سے ہے یا کوئی اور قرض کا معاملہ

ہے۔ اس بارے میں آیتِ کریمہ مکمل طور پر خاموش ہے۔ آیتِ کریمہ میں صرف قرض کو لکھنے کا حکم دیا گیا ہے، خواہ اس قرض کا تعلق تجارت سے ہو یا پیشگی رقم دینے اور سودا سلف سے ہو۔ حالیہ نقدی قیمت کے بالمقابل اضافہ پر مشتمل مروجہ بیعِ اَجل کو جائز قرار دینے میں قطعی طور پر اس آیتِ کریمہ کا کوئی دخل ہی نہیں ہے، لہٰذا اس آیتِ کریمہ کے ذریعہ یہاں اس کا استدلال کرنا قطعاً بے محل و بے مطلب ہے۔

6 ان کا دعویٰ ہے کہ رسول ﷺ نے اُدھار خریداری کی ہے:

رہا ان کا یہ دعویٰ کہ : رسول اللہ ﷺ نے اُدھار خریداری کی ہے۔ تو ہم بھی اسے تسلیم کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے اُدھار اناج خریدا اور اس کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے، دیکھیے: فتح الباری شرح صحیح بخاری ۳۹۹/۴) لیکن سوال تو یہ ہے کہ کیا اس حدیث میں یا اس کے علاوہ کسی دوسری حدیث میں یہ بات موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وقتی اور نقد قیمت سے زیادہ قیمت دے کر یہودی سے خریداری کی تھی؟!... جس نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے اس نے اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹ گھڑا ہے اور ایسی بات کہی ہے، جس کا اس کے پاس کوئی علم نہیں ہے۔ رہی بات رسول اللہ ﷺ کے اُدھار خریداری کی تو یہ جائز معاملہ ہے، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس طرح کی خریداری نقد قیمت کے مطابق ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہودی کے پاس اس کے حق کی واپسی تک اپنی زرہ گروی رکھی تھی۔ لہٰذا یہ دعویٰ کرنا کہ رسول اللہ ﷺ نے اضافے کے ساتھ اُدھار خریداری کی تھی باطل دعویٰ ہے اور صریح طور پر رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ گھڑنا ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے عمل کے ذریعہ اپنے فرمان کی مخالفت کر ہی نہیں سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ ۚ﴾ ”اور میں نہیں چاہتا کہ خود ہی اس بات کی خلاف ورزی کروں جس سے میں تمھیں روکتا ہوں۔“ [ھود : ۸۸]

7 باہمی تفاوت کے ساتھ حیوان کے بدلے میں حیوان کی بیع :

اور رہا ان کا یہ استدلال کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو صدقہ کی جوان اونٹنیوں کے بدلے میں اونٹ خریدنے کا حکم دیا تھا اور سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے دو اور تین اونٹنیوں کے بدلے میں ایک اونٹ خریدا تھا۔

ہمیں تسلیم ہے کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس حدیث کی روایت امام احمد، ابو داؤد اور دارقطنی وغیرہ نے کی ہے۔حدیث کا متن درج ذیل ہے:

سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ : رسول اللہ ﷺ نے مجھے میرے پاس موجود [صدقہ کے] اونٹوں پر [مجاہدین کو] سوار کر کے ایک لشکر بھیجنے کا حکم دیا۔ وہ کہتے ہیں : میں نے ان اونٹوں پر لوگوں کو سوار کیا یہاں تک کہ اونٹ پورے ہو گئے اور کچھ لوگ باقی بچ رہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اونٹ پورے ہو گئے اور کچھ لوگ باقی رہ گئے ہیں، ان کے لیے کوئی سواری نہیں ہے؟ تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

((ابْتَعْ عَلَيْنَا إِبِلًا بِقَلَائِصَ مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ إِلَى مَحِلِّهَا، حَتَّى نُنَفِّذَ هَذَا الْبَعْثَ))

”ہمارے لیے صدقہ کی اونٹنیوں کے آنے تک ان کے عوض اونٹ خرید لو، یہاں تک کہ یہ لشکر تیار ہو جائے۔“

وہ کہتے ہیں : پھر میں نے صدقے کے اونٹ آنے تک کی مہلت پر صدقے کی دو دو اور تین تین اونٹنیوں کے عوض ایک ایک اونٹ خریدا، حتیٰ کہ میں نے وہ لشکر تیار کر دیا۔ پھر جب صدقہ کے اونٹ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی ادائیگی کر دی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں : ”اس حدیث کی تخریج دارقطنی وغیرہ نے کی ہے اور اس کی سند قوی ہے۔“

صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت اسی بات کی قائل ہے البتہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

اس کی کراہت منقول ہے، جس کی پیروی تابعین کی ایک جماعت نے بھی کی ہے اور ان کا قیاس ہم جنس اشیاء کو کمی و بیشی کے ساتھ خریدنے کی حرمت پر ہے۔ چناں چہ جو لوگ تفاضل کے ساتھ حیوان کی بیع حیوان کے ساتھ کرنے کی کراہیت کے قائل ہیں، انھوں نے اس کا قیاس رسول اللہ ﷺ کی اس ممانعت سے کیا ہے کہ آپ ﷺ نے سونا، چاندی، گیہوں، جو، کشمش اور نمک کی بیع اُنہی کی جنس کے ذریعہ کمی و بیشی کے ساتھ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور کسی شک و شبہ کے بغیر یہی بات صحیح بھی ہے، کیوں کہ اس کی حرمت کے بارے میں صحیح نص وارد ہوئی ہے، جیسا کہ امام احمد، دارمی اور طحاوی وغیرہ نے سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حیوان کو حیوان کے بدلے میں اُدھار بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح الجامع: ۶۸۰۷)

اور جو لوگ کمی وبیشی کے ساتھ حیوان کے بدلے میں حیوان کی بیع کے قائل ہیں ان کی رائے کے مطابق یہ عام قاعدے سے مستثنٰی ہے اور اس استثناء کے لیے ضروری ہے کہ اسے اس کے مقام پر رہنے دیا جائے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کمی وبیشی کے ساتھ حیوان کے بدلے میں حیوان کی بیع کے جواز کے قائل ہیں، مثلاً دو اونٹوں کے بدلے میں ایک اونٹ اور دو بکریوں کے بدلے میں ایک بکری وغیرہ، تو ضروری ہے کہ اس قول کو حیوان کے ساتھ خاص اور محدود رکھا جائے، جس کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے۔ اس سے عام قاعدہ اور عام حکم اخذ کرنا جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک ہی جنس کی آپسی تبادلے میں کمی و بیشی کے متعلق جو عدمِ جواز ثابت ہے، وہ منہدم ہو جائے گی۔

جو لوگ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث کی بنا پر اُدھار کی بیع میں اضافی رقم لینے کے جواز کا استدلال کر رہے ہیں، وہ غلط استدلال کر رہے ہیں، کیوں کہ وہ لوگ ایک ایسے مقام پر قیاس کر رہے ہیں، جہاں قیاس کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ ان کے اس قول کی بنیاد پر ایک دینار کے بدلے میں دو دینار کی اُدھار بیع اور پچاس ٹن گیہوں کے بدلے میں ساٹھ ٹن گیہوں کی اُدھار بیع جائز قرار پائے گی، جب کہ اس طرح کے بیع کی

حرمت پر اجماع و اتفاق ہے۔ اور پھر ایک اونٹ کے بدلے میں دو اونٹ دینے میں یہ شرط نہیں ہے کہ یہ بیع دو اونٹوں کے ایک اونٹ سے بہتر ہونے کی وجہ سے ہے، بلکہ بسا اوقات اکیلا ایک اونٹ دو اونٹوں سے بہتر ہوتا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

((قَدْ يَكُونُ الْبَعِيرُ خَيْرًا مِنَ الْبَعِيرَيْنِ)) "کبھی ایک اونٹ دو اونٹوں سے بہتر ہوتا تھا۔"[1]

یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک اونٹ کے بدلے میں بطور اُدھار دو اونٹ کی بیع کو مکروہ قرار دیا ہے اور یہ ممانعت درج ذیل صحیح حدیث کی بنیاد پر ہے:

((نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً))

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوان کو حیوان کے بدلے میں اُدھار بیچنے سے منع فرمایا ہے۔" [2]

اسی طرح حیوانوں کا باہمی تبادلہ فوری ہو تو اس میں کمی بیشی کے جواز کی بات کہی گئی ہے، چناں چہ امام بخاری رحمہ اللہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیع کے متعلق یہ روایت لائے ہیں کہ : ((وَاشْتَرَى ابْنُ عُمَرَ رَاحِلَةً بِأَرْبَعَةِ أَبْعِرَةٍ مَضْمُونَةٍ عَلَيْهِ يُوفِيهَا صَاحِبَهَا بِالرَّبَذَةِ)) "انھوں نے ایک اونٹ چار اونٹوں کے بدلے میں خریدا تھا، جن کے متعلق یہ طے ہوا تھا کہ مقام ربذہ میں وہ اُنھیں اسے دے دیں گے۔" [3] اس روایت کا تعلق حالیہ فوری تبادلے سے ہے، اُدھار بیع سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

بہرحال کمی و بیشی کے ساتھ حیوان کے بدلے میں حیوان کی بیع کی بنیاد پر بیعِ اَجل میں اُدھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرنا کسی بھی طرح سے درست نہیں ہو گا، خواہ اس کا کوئی بھی مفہوم لیں۔ اگر ہم اس بات کے قائل ہیں کہ حیوان کو حیوان کے بدلے میں کمی و بیشی کے ساتھ بیچنا خریدنا جائز ہے تو ایسی صورت میں بھی ضروری ہو گا کہ ہم اسے

[1] صحيح البخاري كتاب البيوع باب بيع الحيوان بالحيوان نسيئة، قبل الحديث : ٢٢٢٨

[2] ابوداؤد : ٣٣٥٦، ترمذي : ١٢٣٧، نسائي : ٤٦٢٠، ابن ماجة : ٢٢٧٠، دارمي: ٢٦٠٦

[3] صحيح البخاري كتاب البيوع باب بيع الحيوان بالحيوان نسيئة، قبل الحديث : ٢٢٢٨

صرف حیوان تک محدود رکھیں کیوں کہ اس کے بارے میں نصِ صریح وارد ہوئی ہے، جیسا کہ جناب ابن المسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((لَا رِبَا فِي الْحَيَوَانِ : الْبَعِيرُ بِالْبَعِيرَيْنِ وَالشَّاةُ بِالشَّاتَيْنِ إِلَى أَجَلٍ)) "جانوروں میں سود نہیں ہے : ایک اونٹ دو اونٹوں کے بدلے میں اور ایک بکری دو بکریوں کے بدلے میں اُدھار بیچی جا سکتی ہے۔" [1]

ابن مسیب رحمہ اللہ کے اس قول "جانوروں میں سود نہیں ہے۔" سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اس اُدھار کے بارے میں ہے، جس میں سود نہیں ہوتا ہے، تاہم جس چیز کے مباح ہونے کے بارے میں واضح نص وارد ہو تو وہی اس نص کے حدود میں مباح ہوگی۔

مذکورہ تفصیلی بیان سے یہ بات آپ کے سامنے واضح ہو گئی کہ جن لوگوں نے مذکورہ حدیث کی بنیاد پر نقود اور درہموں کے عوض سامان کی بیع میں موجودہ قیمت کی بہ نسبت زیادہ قیمت لینے کے جواز کا استدلال کیا ہے وہ بہت دور کی کوڑی لائے ہیں اور بلا دلیل استدلال کیا ہے اور ایسی جگہ قیاس سے کام لیا ہے، جہاں پورے طور پر قیاس کی گنجائش ہی نہیں ہے اور اس قول کی بنیاد پر ایک دینار کے بدلے میں بطور اُدھار دو دینار کی بیع جائز قرار پائے گی، جس کا قائل کوئی بھی نہیں ہے۔

(8) ان کا دعویٰ ہے کہ اضافہ پر مشتمل بیعِ اَجل میں آسانی اور فائدہ ہے:

رہا ان کا یہ دعویٰ کہ اضافہ پر مشتمل بیعِ اَجل میں بائع اور مشتری دونوں کے لیے آسانی اور منفعت پائی جاتی ہے، اس میں خریدار معمولی پیشگی رقم دے کر یا پیشگی رقم دیے بغیر سامان حاصل کر لیتا ہے اور مناسب طریقے سے قسطوں میں قیمت ادا کرتا ہے، اس طرح وہ قسطوں میں ادا کرنے کی سہولت اور تاخیر سے ادا کرنے کی مہلت سے مستفید ہوتا ہے اور بائع انتظار و مہلت کے بدلے میں کچھ زیادہ وصول کر کے فائدہ حاصل کر لیتا ہے۔

[1] ایضًا

معلوم ہونا چاہیے کہ درج ذیل وجوہات کے پیشِ نظر جائز قرار دینے سے متعلق یہ دلیل بھی انتہائی بودی ہے:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ بعینہ وہی دلیل ہے، جس سے سود خور لوگ اپنے نقدی قرض پر سود لینے کا استدلال کرتے ہیں، ان کا بھی یہی استدلال ہے کہ نقدی قرض لینے والا شخص نقد مال سے اپنی ضرورت کو پوری کرتا ہے یا سرمایہ کاری کے ذریعہ فائدہ اٹھاتا ہے اور پھر جب اسے رقم میسر ہو جاتی ہے تو وہ اضافہ کے ساتھ ادا کر دیتا ہے، اسی طرح قرض دینے والا سود خور مہاجن انتظار کے بدلے میں زائد مال کی وصولی کر کے فائدہ اٹھاتا ہے۔ یعنی کہ جواز کے قائلین کی یہ دلیل بعینہ سود خور کے استدلال کی طرح ہے اور دونوں کے استدلال میں کوئی فرق نہیں ہے۔

واضح رہے کہ اگر وہ عملی طور پر آسانی ہی چاہتے ہیں تو یہ اس سودی اضافے کے بغیر بھی ممکن ہے۔ بائع اُدھار کے بدلے میں زائد قیمت لگائے بغیر بھی سامان کی قیمت قسطوں میں وصول کر کے خریدار پر آسانی کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو مہلت کیوں نہیں دے سکتا ہے اور وصولی میں تھوڑا انتظار کیوں نہیں کر سکتا ہے؟ حقیقی معنوں میں یہی شرعی آسانی و سہولت ہے، دین میں اسی طرح کی آسانی مطلوب ہے، اسی کو اپنانے کی ترغیب دی گئی ہے اور اس طرح کی آسانی کرنے والا شخص اجر سے نوازا جائے گا۔ بلا شک وشبہ تاجر کا اپنا سامان اُدھار بیچنا اور محض اُدھار کی مدت کے عوض خریدار سے وقتی قیمت سے کچھ زیادہ رقم وصول کرنا اسلامی روح کے منافی ہے، لوگ ایسے تاجروں سے مجبوری ہی کی بنا پر خریداری کریں گے اور اگر انھیں موجودہ قیمت ہی پر اُدھار دینے والا کوئی تاجر مل جائے تو وہ کبھی بھی زائد قیمت وصول کرنے والے تاجر سے خریداری نہیں کریں گے، لیکن کیا کریں لوگ ایسے سودی اضافے کے ساتھ خریداری کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، جسے بائع انتظار کرنے اور خریدار پر صبر کرنے کی وجہ سے بڑھا دیتا ہے۔

⑨ان کا دعویٰ ہے کہ اُدھار بیچنے والا تاجر خطرہ مول لینے والا ہوتا ہے:

رہا ان کا یہ قول: اُدھار بیچنے والا تاجر خطرہ مول لینے والا ہوتا ہے، کیوں کہ مکمل طور پر اسے یہ یقین نہیں ہوتا ہے کہ خریدار قیمت کی ادائیگی کرے گا یا نہیں کرے گا؟ اور جس قدر مہلت کی مدت لمبی ہوگی خطرہ بھی اُتنا ہی بڑھ جائے گا، اس لیے ایسی صورت میں خطرے کا بوجھ برداشت کرنے کی وجہ سے اُدھار کے بدلے میں کچھ زائد رقم لینا جائز ہوگا۔ یہ استدلال بھی باطل ہے اور بعینہ سود خوروں کی بھی یہی دلیل ہے۔ یہ معلوم بات ہے کہ سود خور بھی قرض دار کی طرف سے ادائیگی کے لیے پُر امید نہیں ہوتا ہے، بلکہ قرض کی ادائیگی کے وقت بسا اوقات قرض دار قرض ادا کرنے سے عاجز ہوتا ہے اور پھر اس سودی معاملے میں بھی جس قدر مہلت کی مدت لمبی ہوتی جائے گی خطرہ بھی مزید بڑھتا جائے گا، اسی وجہ سے سود خور ساہو کار مدت کی طوالت کے بقدر فائدے کی شرحِ سود میں اضافہ کر دیتا ہے۔ لہٰذا جائز کہنے والوں کا یہ استدلال بھی بے بنیاد ٹھہرا، کیوں کہ سود خور بھی سود کے جواز کے لیے بعینہ یہی دلیل دیتے ہیں۔

تاجر اُدھار کی وجہ سے سامان کی قیمت میں جو اضافہ کرتا ہے اور یہ کہتا ہے: آپ کے لیے اس چیز کی نقد قیمت دس دینار ہے اور ایک سال کے اُدھار کی صورت میں بارہ دینار ہے تو حقیقت میں اس نے آپ سے دس دینار میں سامان بیچا اور جب آپ کے ذمے اس کے دس دینار ہو گئے تو اس نے حالیہ دس دینار کو بطور اُدھار بارہ دینار میں بیچ دیا۔

خلاصہ یہ نکلا کہ انتظار کی وجہ سے خطرہ مول لینے والی حجت بے بنیاد اور بالکل بودی ہے، کیوں کہ یہ وہی حجت ہے، جسے مدت کے مقابلے میں میعادی قرضے پر زائد قیمت لینے کو مباح ٹھہرانے کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ رہی بات آسانی اور سہولت فراہم کرنے کی تو اس کا حصول اس طرح بھی ممکن ہے کہ جب بائع خریدار کو ادائیگی میں مہلت دے تو پھر مدت کے عوض میں اضافی رقم نہ وصول کرے۔ اور یہی طرزِ عمل روحِ شریعت، فیاضی و

نرم دلی اور اخوتِ اسلامی سے زیادہ میل کھاتا ہے، جب کہ تاخیر کی وجہ سے اضافی رقم وصول کرنا روحِ شریعت، دینی بھائی چارہ اور اسلامی فیاضی و فراخ دلی کے بالکل منافی ہے۔

⑩ حدیث ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ)) کے باطل تاویل کی تردید:

جواز کے قائلین کا نبی کریم ﷺ کی حدیث: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا)) کی یہ تاویل و توجیہ کرنا کہ: حدیث میں ممانعت کا مقصود جہالت یعنی قیمت کا مجہول ہونا ہے، باطل تاویل ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک سودے میں دو سودا کرنے سے منع کرنے کا مقصود یہ ہے کہ بائع خریدار سے کہے: میں یہ کپڑا آپ کو نقد دس روپے میں دوں گا اور اُدھار تیرہ روپے میں دوں گا۔ خریدار کہے: مجھے یہ سودا منظور ہے، اسی اتفاق پر دونوں جدا ہو جائیں اور اس بات کی تعیین نہ ہو پائے کہ وہ اُدھار سودا کرنا چاہتے ہیں یا نقد۔ بیع کی یہ صورت ان کے نزدیک مجہول ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔ اور اگر دونوں کسی ایک سودے پر اتفاق کر لیں، مثلاً خریدار کہے کہ مجھے منظور ہے اور میں اتنی مدت کے لیے اُدھار تیرہ روپے میں لوں گا۔ تو ان کے نزدیک بیع کی یہ صورت جہالت نہ پائے جانے کی وجہ سے صحیح ہوگی۔ جواز کے قائلین کا دعویٰ ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مقصود یہی ہے۔

لیکن حدیث کی یہ تفسیر و تاویل واضح طور پر خود اِسی حدیث کی بنیاد پر باطل ہے، کیوں کہ نصِ حدیث میں یہ بات کہی گئی ہے: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا)) ”جس شخص نے ایک سودے میں دو سودے کیے تو اس کے لیے ان میں سے یا تو کم قیمت ہے یا سود ہے۔“ حدیث میں وارد لفظ ((أَوْكَس)) کے معنی ”أقل“ یعنی کم تر قیمت کے ہیں۔ اور جب ہم حدیث کی توضیح اس مفہوم میں کریں گے کہ بائع خریدار سے کہے: میں یہ سامان نقد دس روپے میں دوں گا اور اُدھار بارہ روپے میں، تو یہی صورت ایک سودے میں دو سودا کرنا ہو گا اور اگر خریدار کم قیمت والی صورت اختیار کرے تو یہ جائز ہو گا اور اگر زیادہ قیمت دے

کر سودا لے تو اس نے سود ادا کیا۔ اسی سود کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ایک سودے میں دو سودا کرنے سے منع فرمایا ہے، نہ کہ جہالتِ ثمن کی وجہ سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ جواز کے قائلین کا دعویٰ ہے۔ بلکہ بائع اگر خریدار کو نقد یا اُدھار لینے کے درمیان اختیار دے رہا ہو تو اس میں سرے سے جہالت پائی ہی نہیں جا رہی ہے، کیوں کہ یہ معاملہ دو صورتوں کے درمیان محصور ہوتا ہے اور بائع و مشتری ان میں سے کوئی ایک صورت اپنانے کے لیے بااختیار ہوتے ہیں، لہٰذا اس طرح کی بیع میں جہالت پائی ہی نہیں جاتی ہے۔

ذرا غور کریں! : "بائع اگر خریدار سے کہے کہ یہ کپڑا نقد دس روپے میں ہے اور اُدھار بارہ روپے میں ہے اور خریدار کہے کہ میں نے قبول کیا پھر دونوں اسی بات پر جدا ہو جائیں تو بیع باطل نہیں ہوگی اور اس بنیاد پر اُدھار کی وجہ سے زائد رقم لینا جائز ہوگا۔" اس طرح کی بیع میں جہالت کہاں پائی جا رہی ہے؟

سچ بات یہ ہے کہ اس میں کوئی جہالت نہیں پائی جا رہی ہے، بائع نے خریدار کو دونوں میں سے کسی ایک کو انتخاب کرنے کا اختیار دیا ہے اور وہ اس اختیار سے راضی بھی ہے، اس لیے بیع درست ہے اور یہاں قطعی طور پر جہالت پائی ہی نہیں جا رہی ہے، کیوں کہ یہ معاملہ محدود اور محصور ہے۔ لہٰذا حدیث کی یہ تفسیر کرنا کہ رسول اللہ ﷺ نے جہالت پائے جانے کی بنا پر اس سے منع فرمایا ہے، دور از کار تفسیر ہے اور ایسی تاویل ہے، جس کے باطل ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ حدیث میں موجود رسول اللہ ﷺ کی ممانعت کو اس سودی اضافے پر محمول کرنا، جسے بائع اُدھار کے مقابلے میں وصول کرتا ہے زیادہ بہتر و مناسب ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ((**فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا**)) اس کے لیے دونوں میں سے کم تر قیمت ہے ((**أَوِ الرِّبَا**)) یا سود ہے۔ اور یہ وہی اضافی رقم ہے، جسے بائع ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے طلب کرتا ہے۔

بعض اہلِ علم نے چند بے بنیاد اسباب و علل کی بنا پر حدیث کی تردید کی ہے۔ مثلاً ان کا کہنا ہے کہ: یہ حدیث اضافہ پر مشتمل بیعِ اَجل کو حرام قرار دینے میں نصِ صریح نہیں

ہے، کیوں کہ اس میں اور دیگر معانی کا بھی احتمال پایا جاتا ہے۔ جیسے:

بیع عِینہ : اس لیے کہ اس بیع کی حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی چیز دو مرتبہ بیچی جاتی ہے۔ خریدار بائع سے کہتا ہے : میں یہ گاڑی آپ سے دو سال کے اُدھار پر دو ہزار میں خریدتا ہوں اور اسے آپ ہی سے ایک ہزار نقد میں بیچتا ہوں، پس وہ ایک ہزار نقد وصول کر لیتا ہے اور اس کے ذمہ سال بھر بعد دو ہزار واجب الاداء ہوتے ہیں۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یقیناً یہ ایسی بیع ہے، جس کے حرام ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور اس کے بارے میں نصِ صریح بھی وارد ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی بیع عِینہ سے روکا ہے۔ لیکن یہ بات بھی یقینی ہے کہ مذکورہ حدیث کی نہی کا مقصود بیع عِینہ نہیں ہے، اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے : **((فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا))** ”پس اس کے لیے ان میں سے یا تو کم قیمت ہے یا سود ہے۔“ حدیث کا یہ ٹکڑا بیع عِینہ پر منطبق ہی نہیں ہوتا ہے۔ بیع عِینہ بیوع کی دیگر فاسد قسموں میں سے ایک قسم ہے۔

بعض اہلِ علم نے اس حدیث کی تفسیر و توضیح اس طرح کی ہے کہ بائع خریدار سے کہے: میں یہ گھر تم سے اس شرط پر بیچتا ہوں کہ تم مجھ سے یہ گاڑی بیچ دو۔ یعنی ایک چیز دوسری چیز کے مقابلے میں بیچنا، اس بنیاد پر یہ بیع ایک سودے میں دو سودا کرنے کی نبوی ممانعت کی عمومیت میں داخل ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ توضیح اس فرمان نبوی : **((فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا))** ”پس اس کے لیے ان میں سے یا تو کم قیمت ہے یا سود ہے۔“ کی تفسیر نہیں بن رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”اس کی ایک دوسری تفسیر امام شافعی رحمہ اللہ نے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں : وہ یہ ہے کہ بائع کہے : میں یہ غلام تم سے ایک ہزار میں بیچتا ہوں بشرط یہ کہ تم اپنا گھر مجھ سے اتنی قیمت پر بیچ دو۔ یعنی جب میرا غلام تیرا ہو گا تو تیرا گھر میرا ہو جائے گا، لیکن یہ تفسیر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث : **((نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ))** ”رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ کی تفسیر

ہو سکتی ہے اور پہلی حدیث : ((فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا)) ”پس اس کے لیے ان میں سے یا تو کم قیمت ہے یا سود ہے۔“ کی تفسیر نہیں ہو سکتی ہے، کیوں کہ یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ایک ہی چیز کا دو سودا کر کے بیچے اور ان میں سے ایک سودے کی قیمت کم ہو اور ایک سودے کی قیمت زیادہ ہو۔“ (نیل الاوطار ۵ / ۱۷۲)

بعض اہلِ علم نے اس حدیث کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ بائع کوئی سامان ایک مدت تک کے لیے اُدھار بیچے پھر جب ادائیگی کا وقت آ جائے اور خریدار ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھے تو بائع اس سے کہے میں یہ سامان مزید اضافے کے ساتھ دوسری مدت کے لیے تم سے دوبارہ بیچتا ہوں۔ گویا اس نے ایک ہی چیز کو دو مرتبہ بیچا۔ لیکن یہ تفسیر بھی دور از کار ہے، کیوں کہ اس میں ہونے والی دوسری بیع کو سامان بیچنا نہیں کہہ سکتے ہیں، یہ تو ایک قرض کی بیع دوسری قرض کے ساتھ ہوئی، جس کی ممانعت دوسری احادیث سے ثابت ہے اور اس کا حرام ہونا بھی مخفی نہیں ہے۔

اب تو حدیث کی یہی ایک ہی واضح تفسیر بچتی ہے کہ بائع خریدار سے کہے : میں یہ گاڑی تم سے نقد ایک ہزار میں اور ایک سال تک کے لیے اُدھار بارہ سو میں بیچوں گا۔ یہی تفسیر راویٔ حدیث سماک رحمہ اللہ نے بھی کی ہے، وہ کہتے ہیں:

”الرَّجُلُ يَبِيعُ الْبَيْعَ فَيَقُولُ: هُوَ بِنَسَاءٍ بِكَذَا وَكَذَا، وَهُوَ بِنَقْدٍ بِكَذَا وَكَذَا“ ”آدمی سودا کرتے وقت کہے کہ وہ اُدھار اتنے اور اتنے دام میں ہے اور نقد اتنے اور اتنے دام میں ہے۔“ [1]

امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں : ”فرمانِ نبوی : ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ)) کی تفسیر سماک رحمہ اللہ نے اسی طرح کی ہے، جسے مصنف نے امام احمد کے واسطے سے سماک سے روایت کیا ہے اور اسی طرح کی تفسیر کی موافقت امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی کی ہے، وہ کہتے ہیں : یہ کہ وہ کہے : میں نقد ایک ہزار میں یا ایک سال تک کے لیے اُدھار پر دو ہزار میں بیچتا ہوں،

[1] مسند أحمد تحت رقم الحديث : ٣٧٨٣

دونوں میں سے جس قیمت پر آپ چاہیں اور میں چاہوں لے لیں۔" (نیل الاوطار ۵ / ۱۷۲)

حدیث کی یہی تفسیر جمہور اہلِ علم نے کی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ موجودہ نقدی قیمت کے مقابلے میں اضافہ پر مشتمل بیع اَجل کو حرام قرار دینے میں یہ حدیث نہایت واضح اور صریح نص ہے۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ زیرِ مطالعہ حدیث کے بارے میں طعن و تشنیع اور کلام کرنا باطل ہے۔ اس حدیث کو امام احمد، ابو داؤد، نسائی اور ترمذی وغیرہ نے کی ہے، امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، [امام حاکم، ذہبی اور ابن حبان وغیرہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔] اسی طرح شیخ محمد ناصر الدین البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے، جیسا کہ شیخ کی کتاب صحیح الجامع (برقم: ۵۹۹۲) میں مذکور ہے۔

(11) ان کے دعوے "جمہور اہلِ علم اس حدیث کے خلاف ہیں۔" کی حقیقت

جواز کے قائلین کا یہ دعویٰ: "جمہور اہلِ علم اس حدیث کے خلاف ہیں۔" بھی کئی وجوہات کے پیشِ نظر باطل دعویٰ ہے:

❁ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ جس کسی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی سنت واضح ہو جائے، اس کے لیے کسی کے قول کی بنیاد پر سنت کو ترک کرنا جائز نہیں ہے، خواہ وہ کسی بھی فردِ بشر کا قول ہو۔ امام شافعی - اللہ ان سے راضی ہو - کہتے ہیں: "مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ جس کسی پر رسول اللہ ﷺ کی کوئی سنت واضح ہو جائے تو کسی بھی فرد کے قول کی وجہ سے اس کے لیے سنت کو چھوڑ دینا حلال نہیں ہے۔" [1]

یاد رہے کہ حجت صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے قول اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات کے سوا ہر عالم کے قول کو لیا بھی جا سکتا ہے اور چھوڑا

---

[1] الرسالة (١٠٤)

بھی جا سکتا ہے۔

❁ دوسری بات یہ ہے کہ حقیقت میں صحیح بات اس کے برعکس ہے۔ صحابۂ کرام اور جمہور تابعین اس لین دین کی حرمت کے قائل ہیں یعنی موجودہ نقد رِیٹ کے بالمقابل اُدھار پر مشتمل بیعِ اَجل کی حرمت کے قائل ہیں۔ لین دین کا یہ معاملہ تو صرف متاخرین کے یہاں معروف ہوا ہے، ورنہ سیدنا ابن عباس اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے اس کی حرمت منقول ہے اور صحابۂ کرام میں سے ان کا کوئی مخالف بھی نہیں ہے۔ ہمارے اس دعوے کی دلیل حسب ذیل ہے:

❶ محدث عبد الرزاق اپنی مسند میں روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ہمیں ابن عیینہ نے خبر دی، وہ عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں، وہ عطاء سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

((إِذَا اسْتَقَمْتَ بِنَقْدٍ، وَبِعْتَ بِنَقْدٍ، فَلَا بَأْسَ بِهِ، وَإِذَا اسْتَقَمْتَ بِنَقْدٍ فَبِعْتَ بِنَسِيئَةٍ، فَلَا، إِنَّمَا ذَلِكَ وَرِقٌ بِوَرِقٍ)) ”جب تم نے نقد قیمت لگائی اور نقد بیچ دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جب تم نے نقد قیمت لگائی اور اُدھار بیچا تو یہ درست نہیں ہے، یہ تو چاندی کے عوض چاندی کی بیع ہوئی۔“ [مصنف عبد الرزاق ۸ / ۲۳۶، رقم: ۱۵۰۲۸]

یہ روایت اس لین دین کو حرام قرار دینے میں قطعی دلیل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ نے سامان کی نقد قیمت لگا دی اور کہہ دیا کہ یہ سو دینار کے مساوی ہے اور پھر اسے سو دینار میں نقد بیچ دیا تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ لیکن جب آپ نے یہ کہا کہ یہ سو دینار کے مساوی ہے اور میں اسے ایک سال کے اُدھار پر ایک سو بیس دینار میں فروخت کروں گا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے موجودہ سو دینار کو ایک سال کے اُدھار پر ایک سو بیس دینار میں قرض دے دیا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول: ((إِنَّمَا ذَلِكَ وَرِقٌ بِوَرِقٍ)) ”یہ تو چاندی کے عوض میں چاندی کی بیع ہوئی۔“ کا یہی مفہوم ہے اور چاندی کے عوض چاندی کی بطور اُدھار بیع حرام ہے۔ میرے علم کے مطابق

صحابۂ کرام میں سے کسی نے بھی اس فتوے کی مخالفت نہیں کی ہے، لہٰذا سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فتویٰ صحابی کا ایسا قول ہے، جس کا کوئی مخالف نہیں ہے اور یہ قول اس مفہوم کی صحیح حدیث کے موافق بھی ہے۔

[اسی طرح سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ((**لَا تَصْلُحُ الصَّفْقَتَانِ فِي الصَّفْقَةِ، أَنْ يَقُولَ: هُوَ بِالنَسِيئَةِ بِكَذَا وَكَذَا، وَبَالنَّقْدِ بِكَذَا وَكَذَا**)) (مصنف عبد الرزاق ۸ / ۱۳۸، وسندہ حسن) "ایک سودے میں دو سودا کرنا درست نہیں ہے، یہ کہ بائع کہے: یہ اُدھار اتنے اور اتنے روپے میں ہے اور نقد اتنے اور اتنے روپے میں ہے۔"]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کے مطابق شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی فتویٰ دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: "جب بائع کہے کہ یہ سامان اتنے اور اتنے دام کے مساوی ہے اور میں اسے اُدھار اس سے زائد قیمت پر فروخت کروں گا تو یہ سود ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: "اور جب تم نے نقد قیمت لگائی اور نقد بیچ دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جب تم نے نقد قیمت لگائی اور اُدھار بیچا تو یہ درہموں کے عوض میں درہموں کی بیع ہوئی۔" [فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۹ / ۳۰۶-۳۰۷]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس فتویٰ کے مخالف کسی اور فتوے کا ذکر نہیں کیا ہے اور یہ معلوم بات ہے کہ اگر اس مسئلے میں دو قول ہوتے تو وہ ضرور ان پر گفتگو کرتے۔ اسی طرح یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ صحابی کے اس طرح کی مضبوط و مستحکم رائے میں ان کا کوئی مخالف بھی نہیں ہے۔

❷ ابھی کچھ صفحات قبل ہم ((**بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ**)) کی تفسیر میں امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ذکر کر چکے ہیں، وہ کہتے ہیں: "وہ (بائع) کہے: میں نقد ایک ہزار میں یا ایک سال تک کے لیے اُدھار دو ہزار میں بیچتا ہوں۔" (نیل الاوطار ۵ / ۱۷۲) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لین دین ان کے نزدیک حرام ہے، اگرچہ انھوں نے اس کی وضاحت یہ کی ہے کہ وہ جہالت (یعنی قیمت کے مجہول ہونے) کی وجہ سے ممنوع ہے، جیسا کہ "**نهاية المحتاج**

إلی شرح المنهاج" (۳ / ۴۳۲) کے مصنف نے اسے ذکر کیا ہے۔ حق بات یہ ہے کہ حدیث میں وارد نبوی ممانعت کی وجہ جہالت نہیں ہے، بلکہ ممانعت کی وجہ سود ہے، جو ایک مدت تک اُدھار کی وجہ سے زائد وصول کیا جاتا ہے۔ یہی نبی کریم ﷺ کے اس فرمان: ((فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا)) کا مطلب ہے۔ اور یہاں محل استدلال یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے حدیث کی تفسیر میں یہ بات کہی ہے کہ بائع کہے: میں نے نقد ایک ہزار میں یا سال بھر کے لیے اُدھار پر دو ہزار میں بیچا اور ایک سودے میں دو سودا کرنے کی نبوی ممانعت کا بھی یہی مفہوم ہے۔

❸ امام احمد بن حنبل - اللہ ان سے راضی ہو - اس بیع کی حرمت کی طرف گئے ہیں، جیسا کہ امام ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم سے عیاش بن اَصبغ نے بیان کیا، ان سے محمد عبد الملک بن اَیمن نے بیان کیا، ان سے عبد اللہ بن احمد بن حنبل نے بیان کیا، ان سے عبد الأعلی نے بیان کیا، ان سے حماد نے بیان کیا، وہ قتادہ، ایوب سختیانی، یونس بن عبید اور ہشام بن حسان سے روایت کرتے ہیں اور یہ سبھی لوگ محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: ایک بیع میں دو شرطیں یہ ہیں کہ تو کہے: میں تم سے ایک مہینے کی مدت تک دس میں بیچتا ہوں پس اگر تم ایک مہینہ شمار کرو تو تم اس سے دس وصول کروگے۔ شریح کہتے ہیں: دو قیمتوں میں سے کم قیمت ہوگی اور دو مدتوں میں سے دور کی مدت ہوگی یا سود ہوگا۔ امام احمد کے بیٹے عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ: یہ فاسد بیع ہے۔ (المحلی لإبن حزم ۹ / ۱۶، مسائل الإمام أحمد ص: ۲۰۲)

اس بیع کے فاسد ہونے پر امام احمد رحمہ اللہ کا یہ واضح قول ہے۔ ان کی تفسیر و وضاحت کے مطابق ایک بیع میں دو شرطوں کا مطلب یہ ہے کہ تم کہو: یہ سامان ہے، اگر تم ایک مہینے بعد اس کی قیمت ادا کرتے ہو تو دس میں ہے اور اگر دو مہینے بعد ادا کرنا چاہتے ہو تو مزید دس بڑھ جائے گا۔ یہ بعینہ وہی صورت ہے، جو موجودہ دور میں

قسطوں کی تجارت نامی بیع میں کیا جاتا ہے، اس میں خریدار سے کہا جاتا ہے : یہ گاڑی ایک سال کی مدت تک کی ادائیگی کی صورت میں دو ہزار کی ہے اور تین سال تک کی ادائیگی کی صورت میں دو ہزار دو سو کی ہے یا یہ کہ دس فیصد کا اضافہ ہوگا۔ وغیرہ

گذشتہ صفحات میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن سیرین، قاضی شریح، امام احمد، امام شافعی، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن حزم رحمہم اللہ کے اقوال کی روشنی میں جو کچھ ہم نے پیش کیا ہے، ان سے آپ کے لیے یہ واضح ہو گیا کہ لین دین کا یہ معاملہ حرام ہے۔ ان کے اقوال سے بطور خاص یہ بھی معلوم ہوا کہ اس معاملے کی حرمت کے لیے ان لوگوں نے شرعی دلیل یعنی صحیح حدیث، عقلی و نظری استدلال اور قیاس جلی سے استناد کیا ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام میں ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ قیمت کے بالمقابل زیادہ لینے کو انھوں نے درہموں کے ساتھ درہموں کی بیع میں شمار کیا ہے۔ جب کہ ان کے مخالفین یعنی جواز کے قائلین کے پاس بنیادی طور پر کوئی دلیل ہے ہی نہیں، نہ کتاب و سنت سے کوئی دلیل ہے، نہ کسی صحابی یا تابعی کا کوئی قول ہے اور نہ صحیح نظری دلیل یا معقول قیاس ہے، بلکہ تمام لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سودے میں دو سودا کرنے سے منع فرمایا ہے، جس کی صورت حسب ذیل ہے:

میں نے نقد سو میں بیچا اور ایک سال کے اُدھار تک ایک سو بیس میں بیچا۔ بیع کی یہ صورت ایک سودے میں دو سودا کرنے کی نبوی ممانعت کی عمومیت میں داخل ہے، لیکن جواز کے قائلین نے ممانعت کی تاویل جہالت سے کی ہے یعنی دونوں سودوں میں سے کسی ایک کی تعیین کے ذریعہ اگر جہالت ختم ہو جائے تو یہ بیع جائز ہو گی۔ جب کہ ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ یہ دور از کار تاویل ہے، کیوں کہ اس معاملے میں جہالت پایا ہی نہیں جاتا ہے، بلکہ ممانعت کا سبب سود ہے اور اس کی دلیل یہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے : ((فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا)) ”پس اس کے لیے ان میں سے یا تو کم قیمت ہے یا سود ہے۔“

گذشتہ تفصیل سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ کہنا: "بیش تر اہلِ علم اس حدیث کے خلاف ہیں۔" حق و صواب سے بعید تر قول ہے، بلکہ عام صحابہ و تابعین کا عمل اس حدیث کے اسی مفہوم کے مطابق ہے، جس کی تشریح و وضاحت ہم نے کی ہے۔ بہرحال حدیثِ نبوی علمائے کرام کے اقوال پر فیصل و حاکم ہونے کا درجہ رکھتی ہے نہ کہ علمائے کرام کے اقوال حدیث پر فیصل ہیں۔ یقیناً اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں صرف اپنے فرمان اور رسول ﷺ کے قول کا پابند بنایا ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کے قول و فرمان کی پیروی نہیں کی جائے گی سوائے اس قول کے جو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے موافق ہو۔ لہٰذا کسی کے قول کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ کے واضح و صریح فرمان کو ترک کرنا ہمارے لیے کیسے درست ہو گا؟!

موجودہ دور کے نامور مفسرِ قرآن حافظ عبد السلام بن محمد بُھٹوی حفظہ اللہ لکھتے ہیں: "سود کی ایک صورت نقد اور اُدھار کی قیمتوں کا فرق ہے، قسطوں کا کاروبار اسی طرح چل رہا ہے، حالاں کہ یہ رقم سود ہے، مثلاً ایک شخص کہے کہ میں تمھیں ایک ہزار روپے اُدھار قرض دیتا ہوں، مگر میں تم سے گیارہ سو روپے لوں گا، اس کے سود ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اسی طرح ایک چیز جس کی قیمت سب جانتے ہیں کہ ایک ہزار ہے، بیچنے والے اور لینے والے کو بھی علم ہے، پھر وہ اسے قسطوں پر گیارہ سو میں دیتا ہے، تو یہ کیوں سود نہیں؟ سود خواہ کوئی ذاتی ضرورت کے لیے لے یا تجارت کے لیے جب اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا تو ہر طرح کا سود حرام ہے۔ اگر کوئی بچنا چاہے تو اسے واضح سود کے ساتھ سود کے حیلے اور سود کے شک والے معاملات سے بھی بچنا ہو گا۔" [تفسیر القرآن الکریم جلد اول ص:۲۲۷]

باب چہارم:

اضافہ پر مشتمل بیعِ اَجل کی چند جدید صورتیں

اس باب کے اندر ہم اضافہ پر مشتمل بیعِ اَجل کے تعامل یعنی لین دین کی کیفیت بیان کریں گے، لین دین کی اس کیفیت کو قسطوں کی تجارت کہا جاتا ہے۔ گویا ہم اس باب کے اندر اضافہ پر مشتمل بیعِ اَجل کے جدید لین دین کے بارے میں جانکاری حاصل کریں گے کہ لین دین کا یہ طریقہ کیسے طے پاتا ہے اور تاخیر و مدت کے عوض میں اضافی رقم لینے کو کس بنیاد پر جائز کہا جاتا ہے؟

اصولی طور پر موجودہ دور میں اُدھار لین دین کی چار بنیادی صورتیں پائی جاتی ہیں، جن کی تفصیل آئندہ سطور میں درج کی جا رہی ہے:

پہلی صورت: تاجر کا بذاتِ خود اپنے فائدے کے لیے نقدی اور قسطوں پر تجارت کرنا

موجودہ دور میں بہت سے تجارت پیشہ اپنا سامان نقد اور اُدھار دونوں طرح سے بیچنے کی آفر رکھتے ہیں، مگر اُدھار بیچنے کی صورت میں تاخیر میں ادا کرنے کی مدت کے بقدر موجودہ قیمت سے زیادہ قیمت وصول کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک گاڑی کی نقد قیمت تین ہزار دینار ہے تو ایک سال کے اُدھار کی صورت میں اس کی قیمت تین ہزار تین سو دینار ہوگی، دو سال کے لیے اُدھار کی صورت میں اضافہ دوچند ہو جائے گا اور تین سال کے لیے اُدھار کی صورت میں اور زائد ہو جائے گا یعنی تین سال کے لیے اُدھار کی صورت میں قیمت تقریباً چار ہزار کے قریب ہو جائے گا، اس طرح اضافہ کی گئی رقم کی مقدار اس سودی فائدے کی مقدار کے برابر ہو جاتا ہے، جو بالعموم بینکوں میں رائج ہے اور مارکیٹ میں متعارف ہے۔ خریدنے والے کے ذمے واجب الأداء قرض پر بائع فائدے کا طلب گار ہوتا

ہے اور معاہدے کو آخری شکل دیتے وقت اسی بنیاد پر اس کا حساب کرتا ہے۔ بیع کی یہ صورت بعینہ وہی قدیم صورت ہے، جس کی تشریح و وضاحت گذشتہ صفحات میں ہم کر چکے ہیں۔ یہاں اس سلسلے میں ہم دو قابلِ توجہ امور پر غور و فکر کرنا چاہتے ہیں:

❶ بیع کی اس صورت میں تاخیر کی بنیاد پر جو اضافی رقم وصول کیا جاتا ہے وہ اسی زائد رقم کی طرح ہوتا ہے، جو عام طور پر بینکوں میں رائج ہے۔

❷ یہ ایسی مبسوط صورت ہے، جس میں صرف بائع اور مشتری شریک ہوتے ہیں، کسی تیسرے فریق کی شمولیت اس میں نہیں ہوتی ہے، تاجر اپنے فائدے کے لیے سامان بیچتا ہے اور خود ہی اپنے فائدے کے لیے قرض دینے کا خواہاں ہوتا ہے۔ باقی آگے کی دیگر صورتیں، اس کے برعکس ہیں، جن کی تفصیل عنقریب آئندہ سطور میں ذکر کی جائے گی۔ اِن شاء اللہ

اس سلسلے میں گذشتہ صفحات کے اندر جو دلائل ہم نے بیان کی ہیں، ان کی روشنی میں بیع کی اس صورت کے حرام ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

دوسری صورت: موجود قیمت کے عوض میں تجارتی قرض کی خرید و فروخت

❁ بہت سے تاجر حضرات لوگوں پر واجب الاداء قرضوں (دستاویزات اور ڈرافٹس) کو سودی بینکوں سے بیچتے ہیں اور اس کے عوض میں نقدی شکل میں کم قیمت کے خواہاں ہوتے ہیں، مثلاً سو دینار کے قرض (چیک/ڈرافٹ) کو موجودہ نوے دینار میں بیچتے ہیں۔ بینکوں میں یہ معاملہ "**حسم الديون**" [ہنڈی بھنانا/ قرض کا تصفیہ کرنا] کے نام سے جانا جاتا ہے۔

❁ کچھ تاجر ایسے بھی ہوتے ہیں، جو خود گاہکوں سے قرض کا مطالبہ کرتے ہیں اور پھر بینک کو تاخیر سے ادا کرتے ہیں۔

❁ اور دیگر بہت سے تاجر خریدنے والے گاہک کو بینک کے حوالے کر دیتے ہیں تاکہ وہ وہاں ادا کرے۔

بہرحال یہ ایک نیا سودی لین دین ہے، جس کی بنیاد اضافہ پر مشتمل بیعِ اَجل پر ہے

اور اسی بنیاد پر موجودہ نقدی کے عوض میں میعادی قرض کی بیع وجود میں آئی ہے۔ موجودہ نقدی قیمت کے عوض میں قرض کی بیع کے ناجائز ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے، کیوں کہ اس کا تعلق نقود کے بدلے میں بطور اُدھار نقود کی بیع سے ہے، جس کی حرمت پر اجماع ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ وَلَا الْفِضَّةَ بِالْفِضَّةِ إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَلَا تَبِيعُوا غَائِبًا بِنَاجِزٍ)) ''سونے کو سونے کے عوض میں نہ بیچو اور نہ چاندی کو چاندی کے عوض میں بیچو، مگر یہ کہ ایک ہاتھ سے دو، دوسرے ہاتھ سے لو اور [اُن میں سے] کسی غائب یعنی قرض کو ناجز یعنی نقدی کے عوض میں نہ بیچو۔'' [1]

حدیث میں وارد لفظ ((هَاءَ وَهَاءَ)) کا مطلب ہے: لو اور دو یعنی ایک ہی مجلس میں

[1] یہ حدیث بعینہ اس سیاق کے ساتھ مجھے نہیں ملی، جب کہ مختلف حدیثوں میں سب کچھ بیان ہوا ہے، شاید یہاں مختلف حدیثوں کے ٹکڑے کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ چناں چہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ)) ''سونے کو سونے کے عوض میں نہ بیچو، مگر برابر برابر اور ایک دوسرے سے کم یا زیادہ کرکے نہ بیچو۔ اور چاندی کو چاندی کے عوض میں نہ بیچو، مگر برابر برابر اور ایک دوسرے میں کمی وبیشی کرکے نہ بیچو۔ اور ان میں سے کسی غائب کو حاضر کے عوض میں نہ بیچو یعنی ایک طرف سے نقد کے عوض اُدھار نہ بیچو۔'' [صحیح بخاری: ۲۱۷۷، صحیح مسلم: ۱۵۸۴] اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رِبًا، إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا، إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ)) ''سونے کے بدلے میں سونے (کی بیع) سود ہے، مگر یہ کہ ایک ہاتھ سے دو، دوسرے ہاتھ سے لو۔ گیہوں کے بدلے میں گیہوں (کی بیع) سود ہے، مگر یہ کہ ایک ہاتھ سے دو، دوسرے ہاتھ سے لو۔ کھجور کے بدلے میں کھجور (کی بیع) سود ہے، مگر یہ کہ ایک ہاتھ سے دو، دوسرے ہاتھ سے لو اور جو کے بدلے میں جو (کی بیع) سود ہے، مگر یہ کہ ایک ہاتھ سے دو، دوسرے ہاتھ سے لو۔'' [صحیح بخاری: ۲۱۳۴، صحیح مسلم: ۱۵۸۶]

دست بدست تبادلہ ہو۔ ناجز کا مطلب ہے : حاضر یعنی نقدی اور غائب سے مراد تاخیر سے ادا کیا جانے والا قرض ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نقود کا تبادلہ دست بدست ہو اور دونوں طرف سے نقدا نقد ہو یعنی نقود وغیرہ کو حاضر رقم کے بدلے میں اُدھار بیچنا ممنوع ہے، جب کہ موجودہ دور میں بہت سے تاجر ایسا ہی کرتے ہیں۔

اس لین دین کی بعض صورتوں میں خریدنے والا براہ راست ملوث نہیں ہوتا ہے اگر وہ تیسرے فریق یعنی بینک کو درمیان میں لائے بغیر خود ہی تاجر کو ادا کرتا ہو، البتہ وہ یقینی طور پر ایک صورت میں یا سودی لین دین کی دیگر قسموں میں سے ایک دوسری قسم میں کسی نہ کسی طریقے سے ملوث ہوتا ہے۔ وہ یہ سودا کرکے اضافے پر مشتمل اُدھار خریداری کا گناہ گار ہوتا ہے اور پھر موجودہ نقدی مال کے عوض میں میعادی قرض کی خرید و فروخت میں ملوث ہو کر گناہ گار ہوتا ہے، اس طرح وہ مرکب گناہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور اس کا معاملہ اس تاجر کے معاملے کی طرح ہو جاتا ہے، جو مذکورہ دونوں طرح کا لین دین کرتا ہے اور اُدھار کی مدت میں اضافے کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرکے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور موجودہ قیمت کے عوض میں اپنے میعادی قرضوں کی خرید و فروخت میں ملوث ہو کر دوہرے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور یہ سارا معاملہ صرف اور صرف ایک ہی سودے میں ہوتا ہے۔ہم اللہ سے بخشش اور صحت وعافیت کا سوال کرتے ہیں۔

تیسری صورت: تجارتی سہولیات فراہم کرنے والی کمپنیاں

بعض تجارت پیشہ افراد اضافہ پر مشتمل اُدھار کی تجارت کے معاملے میں ایک اور صورت کا سہارا لیتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اپنے پاس آنے والے گاہک کو سہولیات فراہم کرنے والی کمپنیوں کی طرف منتقل کر دیتے ہیں، جب کہ نام نہاد سہولیات فراہم کرنے والی کمپنیوں کے ذمہ گاہک کا کوئی نقدی رقم نہیں ہوتا ہے، یہ کمپنیاں تاجروں کی نیابت کرتے ہوئے ان کے لیے "سند المبايعة" (بانڈ آف سیل) تحریر کرتی ہیں اور اپنے لیے خریدار

پر میعادی قرض لکھتی ہیں، پھر سامان وغیرہ کی حصول یابی کا حق خریدار کو منتقل کرتی ہیں کہ وہ گاڑی یا کوئی دیگر سامان وغیرہ بیچنے والے تاجر سے حاصل کر سکے، اس کے بعد خریدار سہولیات فراہم کرنے والی کمپنیوں کو قسطوں میں میعادی قرض ادا کرتا ہے۔ سہولت فراہم کرنے والی کمپنیوں کا یہ عمل دراصل سود پر مبنی سرمایہ کاری ہوتی ہے، کیوں کہ معلوم فائدے کے ساتھ قرض دینا دراصل مدتِ ادھار کی قیمت ہوتی ہے، تاہم کمپنی تاجر کو قرض نہیں دیتی ہے، بلکہ تاجر کو سامان کی قیمت ادا کر کے خریدار کو قرض دیتی ہے، گویا تاجر کو نقد ادا کرتی ہے اور خریدار کو اُدھار دیتی ہے، اس طرح نقد و اُدھار کی قیمتوں کے درمیان جو فرق ہوتا ہے وہی کمپنی کا منافع ہوتا ہے۔ گویا طفیلی ثالث (دلال) کی حیثیت سے یہ سودی کمپنیاں وجود میں آئیں ہیں، جو تاجر کو سامان کی نقد قیمت دے کر تاجر کی مدد کرتی ہیں اور خریدار کی جانب سے تاجر کو نقد قیمت دے کر خریدار کی مدد کرتی ہیں اور اُدھاری خریداری میں تاخیر و مہلت دینے کی وجہ سے خریدار سے اضافی سودی فوائد وصول کرتی ہیں۔ اب یہ بات پوشیدہ نہیں رہی کہ تاجروں کی نیابت کرتے ہوئے سہولت فراہم کرنے والی کمپنی کا خریدار کے لیے "وثيقة البيع" تحریر کرنے یا واجب الاداء قسطوں کی ادائیگی کے لیے تاجر کا بذاتِ خود "وثيقة البيع" دے کر خریدار کو سہولت فراہم کرنے والی فرم کی جانب پھیر دینے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، دونوں کا نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے اور وہ ثالثی کمپنی یعنی سودی دلال کی موجودگی ہے، جو اُدھاری فائدہ کے عوض منتقلی کا کام انجام دیتا ہے۔ یہاں میں بطور خاص درج ذیل دو نکات کی جانب توجہ دلانا چاہتا ہوں:

اوّل : اگر موجودہ قیمت اور تاخیر سے ادا کرنے کی قیمت کے درمیان تفریق رکھنے کو جائز نہ قرار دیا جاتا تو یہ سود خور طفیلی کمپنیاں وجود میں نہ آتیں۔

دوم : اس لین دین میں خریدنے اور بیچنے والے دونوں دو مرتبہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں : ایک مرتبہ اُدھار کی قیمت میں سودی اضافہ کی وجہ سے اور دوسری مرتبہ سہولت

فراہم کرنے والی کمپنی یعنی سودی دلال کو سودی فائدہ ادا کرنے کی وجہ سے۔ اور یہ سب کچھ ایک ہی سودے میں ہوتا ہے۔

چوتھی صورت: سودی فریب بنام بیعِ مرابحہ

بلا شبہ اضافہ پر مشتمل بیعِ اَجل کی وجہ سے لین دین کی ایک نہایت بدترین شکل وجود میں آچکی ہے، جسے جھوٹے طور پر بیعِ مرابحہ کا نام دیا جاتا ہے، جو معاشرے میں رواج پذیر ہے اور بہت سے اسلامی بینک اس طرح کا لین دین بھی کرتے ہیں۔ در حقیقت لین دین کا یہ معاملہ سہولت فراہم کرنے والی کمپنیوں کے لین دین کی طرح ہوتا ہے، بس شکل و صورت میں معمولی اختلافات پائے جاتے ہیں، مگر نفسِ موضوع میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جس خریدار کے پاس سامان خریدنے کے لیے پیسہ میسر نہیں ہوتا ہے وہ اس کی خریداری کے لیے اسلامی بینک کا سہارا لیتا ہے اور اسلامی بینک خریدار سے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ وہ اس کے لیے سامان کی خریداری کرے گا اور ادائیگی کی مدت کے مطابق اس سے منافع لے گا۔ مثال کے طور پر اگر خریدار ایک سال کی مدت میں ادا کرتا ہے تو بینک اس سے دس فیصد زائد وصول کرتا ہے اور اگر دو سال میں ادا کرتا ہے تو فیصد دوگنا کر دیتا ہے وغیرہ، ساتھ ہی خریدار بار برداری اور انشورنس وغیرہ تمام اخراجات کو بھی برداشت کرتا ہے۔

یہ ہے اسلامی بینک کے مالی اعانت وسرمایہ کاری کا طریقۂ کار کہ وہ اپنے صارفین کے لیے سامان کی خریداری کرتا ہے اور اُنہی سے بیچتا بھی ہے اور پھر قسطوں میں ادا کرنے کی صورت میں موجودہ نقدی قیمت اور مؤخر قیمت کے درمیان فرق کا مقتضی ہوتا ہے اور ادائیگی کی مدت کے مطابق فائدے کا تخمینہ ہوبہو اسی طرح لگاتا ہے، جس طرح کہ سودی منافع میں تخمینہ لگایا جاتا ہے۔ گویا اسلامی بینک ایک سودی ثالث ودلال کا روپ دھار لیتا ہے اور بیع و تجارت کا ڈھونگ رچتے ہوئے خریدار کو محض سودی قرض دیتا ہے۔ حقیقت میں یہ صرف رسمی کارروائی

ہوتی ہے، جس کے ذریعہ فریب دیا جاتا ہے اور حکمِ شرعی کے اندر ہیر پھیر کی جاتی ہے۔

یہاں یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ بیعِ اَجل میں موجودہ قیمت کے مقابلے میں اضافی رقم لینے کو جائز کہنے کے نتیجے ہی میں لین دین کی یہ بدترین صورت رائج ہوئی ہے۔ بلاشبہ نہایت دلی رنج و تکلیف کی بات ہے کہ یہ سب کچھ دین اور اسلام کے نام پر رائج ہے، جب کہ حقیقت میں لین دین کا یہ معاملہ سودی بینکوں اور سود کی بنیاد پر سہولیات فراہم کرنے والی کمپنیوں سے مختلف نہیں ہوتا ہے، بس لین دین کی شکل و صورت میں تھوڑا سا اختلاف پایا جاتا ہے، جب کہ اصل معاملہ و نتیجہ ایک ہی ہوتا ہے۔

مسلمان اگر نصِ شرعی اور حکمِ شرعی پر کار بند رہتے اور موجودہ قیمت کے مقابلے میں اُدھار و مؤخر ادائیگی کی قیمت میں اضافہ کرنے کو جائز نہ قرار دیتے تو امتِ اسلامیہ کی زندگی کو خراب کرنے والی یہ بدترین برائیاں وجود میں نہ آتیں۔ موجودہ دور میں امتِ اسلامیہ کی دشواریوں میں سے ایک بڑی دشواری تجارت کا سود کے ساتھ خلط ملط ہو جانا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ شرعی تجارت امت کی زندگی کے تنگ پہلوؤں میں محصور ہو کر دم توڑ رہی ہے اور ہماری بیان کردہ سودی تجارت کی مذکورہ صورتیں اس وقت رواج پا چکی ہیں، بس چند مخلص و دین دار اور دینی سمجھ و استقامت کے حامل تجارت پیشہ افراد ہیں، جن پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا رحم و کرم ہے کہ وہ نقد اور اُدھار دونوں صورتوں میں ایک ہی قیمت پر تجارت کرنے کے پابند ہیں، سہولیات فراہم کرنے والی طفیلی کمپنیوں اور سودی بینکوں سے لین دین نہیں کرتے ہیں، خواہ اُنھیں اسلامی نام دیا گیا ہو یا نہ دیا گیا ہو، جیسا کہ ان بینکوں کا صرف یہ کام رہ گیا ہے کہ وہ تاجروں اور خریداروں کو قرض دیں، ضمانت شدہ سودی منافع کی وصولی کریں، بے مطلب کی جھوٹی کارروائیوں کو طول دیں، جیسا کہ ان کا قول ہے : میں نے اسے آپ کے لیے خریدا ہے!!! میں اسے خرید کر آپ سے بیچ رہا ہوں؟! اور اس طرح کی دیگر چالیں جو پاک و برتر خالقِ کائنات سے مخفی نہیں ہیں اور نہ کسی فرد سے یہ معاملہ پوشیدہ ہے، بس ضد اور ہٹ دھرمی ہے کہ لوگ اسے اپنائے ہوئے ہیں۔

کوئی معترض یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ آپ نے اس نکتے پر بہت زور دیا ہے اور دوسروں کے بالمقابل بڑی سخت کلامی سے کام لیا ہے؟ آخر ایسا کیوں کیا ہے؟

اس کے جواب میں مَیں کہنا چاہوں گا : اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سب سے پہلے میں اس لین دین اور بدترین حیلہ سازی سے اللہ کے حضور بری ہونا چاہتا ہوں۔ اللہ کے نزدیک اللہ کو دھوکا دے کر کوئی کام انجام دینے کے مقابلے میں بالمشافہہ حرام امور کو انجام دینا کم تر درجہ رکھتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں باخبر کیا ہے کہ اس نے بنو اسرائیل کی ایک گروہ کو ہلاک و برباد کر دیا اور اُنھیں بندر و خنزیر میں تبدیل کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے مچھلی کے شکار کے لیے حیلہ و فریب سے کام لیا تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر سنیچر کے دن شکار کرنا حرام کیا تھا، مگر وہ حیلہ و فریب کے ذریعہ سنیچر کے دن گڑھوں یا جالوں میں مچھلیوں کو روکتے تھے اور اتوار کے روز مچھلیوں کو پانی سے نکالتے تھے!! ان کا کہنا تھا کہ ہم حکمِ شرعی کی مخالفت نہیں کر رہے ہیں ہم تو صرف اتوار کے دن شکار کرتے ہیں۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً اسلامی بینکوں کا فریب جسے وہ بیعِ مرابحہ کا نام دیتے ہیں، درج ذیل وجوہات کی بنا پر بنو اسرائیل کے دھوکا وفریب سے کہیں زیادہ سخت وسنگین ہے:

پہلی وجہ : بنو اسرائیل کا فریب محض مچھلی نہ پکڑنے سے متعلق ایک حکمِ شرعی کی خلاف ورزی تھی اور اس کے خلاف سرکشی و بغاوت تھی، اس لیے کہ مچھلی اللہ کے مالوں میں سے ایک عام مال ہے اور اس کا شکار کرنا اصلًا مباح ہے، جب کہ اسلامی بینکوں کا یہ حیلہ و فریب کئی جرائم پر مبنی ہے، اس میں جو نتیجہ اخذ کرنا مقصود ہوتا ہے وہ سود ہے اور وہ اصلاً حرام ہے۔ اور اس حیلہ کے ذریعہ لوگوں کے مالوں کو باطل طریقے سے کھانا مقصود ہوتا ہے، جب کہ لوگوں کے مالوں کو باطل طریقے سے کھانا بھی بذاتِ خود ایک جرم ہے۔اس کے برخلاف شکار کرنا فی نفسہ مباح ہے۔

دوسری وجہ : اسرائیلیوں نے جب سنیچر کے دن مچھلی شکار کرنے کا حیلہ اختیار کیا تو انھوں نے اس

کام کو اپنی ذات اور اپنے اجتہاد کی طرف منسوب کیا، جب کہ اسلامی بینکوں نے اس کام کو حلال قرار دیا تو اس کی ذمہ داری کا بوجھ ائمۂ دین میں سے بعض فضلائے کرام کے اوپر تھوپ دیا، اُنہی ائمہ میں سے ایک امام شافعی بھی ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ امام شافعی -اللہ ان سے راضی ہو- کے نام پر جو کچھ آج کیا جارہاہے وہ اس سے بری ہیں، وہ تو اس بات کے قائل ہیں کہ جب صحیح حدیث آجائے تو وہی میرا مذہب ہے، وہ کہتے ہیں:

"جب میں کوئی قول یا کوئی اصل بیان کروں، جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے میری کہی ہوئی بات کے خلاف مروی ہو تو اصل قول رسول اللہ ﷺ کا قول ہو گا اور وہی میرا بھی قول ہو گا۔" [ایقاظ الہمم ص:۱۰۰]

پھر میں گواہی دیتا ہوں کہ آج جو کچھ امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے، انھوں نے وہ کہا ہی نہیں ہے، بلکہ ان لوگوں نے خود اس کا فتویٰ دیا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کے کچھ حصے کو، بعض مالکیہ کے قول کے کچھ حصے کے ساتھ ملا کر مغالطہ پیدا کیا گیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے خریدار کو بیچنے والے سے یہ کہنے کی اجازت دی ہے : اگر آپ یہ سامان خرید لیں تو میں اسے آپ سے خرید لوں گا۔ اور فرمایا : اگر وہ دونوں اس وعدے کا التزام کریں تو ان کی بیع باطل ہو گی، کیوں کہ دونوں سود کے کھانے میں ملوث ہوں گے۔ موجودہ دور میں اسلامی بینک گاہک سے اسی بات کا التزام کرتی ہیں اور اسے پورا بھی کرتی ہیں، بلکہ خریدار اس شرط کے ساتھ ضمانتی بیعانہ بھی دیتا ہے کہ اگر وہ اپنے وعدے سے مُکر گیا تو وہ بیعانہ واپس نہیں لے گا!! ان تمام باتوں کے باوجود اس کی نسبت امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف کی جاتی ہے!!!

یہ معلوم بات ہے کہ کلام میں کتر بیونت کر کے مغالطہ پیدا کرنا حرام ہے، حتیٰ کہ ایک ہی آدمی کے مختلف اقوال میں کتر بیونت کرنا جائز نہیں ہے تو پھر دو مختلف لوگوں کے اقوال میں کتر بیونت کرنا کیسے جائز ہو گا؟ بہرحال میں اسے دوسرا جرم سمجھتا ہوں اور اس بدترین حیلہ کو ائمۂ فقہ میں سے ایک عظیم امام کی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے اس کی سنگینی مزید بڑھ جاتی ہے۔

تیسری وجہ : بنو اسرائیل نے جب اپنا یہ حیلہ اختیار کیا تو لوگوں کی طرف سے عمومی پذیرائی نہیں ملی اور ان کی یہ چال اچھوت و فریب کے طور پر مشہور تھی، یہی وجہ ہے کہ ناصحین نے اُنھیں نصیحت کرنے کا اور ان کو ڈرانے کا بیڑا اٹھایا۔ جب کہ بیعِ مرابحہ کے نام پر یہ سودی حیلہ عمومی بلویٰ کا روپ دھار چکی ہے۔

چوتھی وجہ : یہ بدترین حیلہ و فریب اس وقت سامنے آیا جب کہ امت سودی نظام اور سرمایہ دارانہ معاشی نظام کو اسلامی و اخلاقی نظام میں تبدیل کرنے کے درپے تھی۔ اس بد ترین حیلہ کے آجانے کی وجہ سے مسلمانوں کا رجحان نفاذِ شریعت کے بارے میں سنجیدہ و مخلصانہ تگ و دو سے بدل کر مغربی سرمایہ دارانہ نظام کی خدمت کرنے والی ابلیسی و شیطانی کام کی طرف منتقل ہو گیا، کیوں کہ وہ بذاتِ خود سودی کام میں لگ گئے اور اپنے کارنامے پر شرعی غلاف اور اسلامی لباس کا لبادہ ڈالنے لگے۔ اب جب کہ اس کا سود ہونا ظاہر ہو گیا ہے اور ہر شخص نے اسے جان لیا ہے تو حقائق پر پردہ ڈال کر اس کی ملمع سازی کرنے لگے اور اس پر اسلامی لبادہ ڈالنے لگے۔ اس طرح اسلامی بینکوں کا مشن بدل گیا اور وہ سودی نظام کو بدلنے کے بجائے اس کے قوتِ بازو بن گئے۔

مذکورہ اسباب اور دیگر وجوہات کے پیشِ نظر میں کہتا ہوں کہ یہ بد ترین حیلہ بنو اسرائیل کے حیلہ سے کہیں زیادہ سنگین ہے، جب کہ اللہ نے ہمیں بنو اسرائیل کے اس انجام سے باخبر کیا ہے، جو انھیں حکمِ شرعی میں دھوکا دینے کی وجہ سے لاحق ہوئی تھی۔ لہٰذا آج جو کچھ کیا جا رہا ہے، اس تحریر کے ذریعہ میں ان کارناموں سے اللہ کے حضور اپنی براءت و بے گناہی درج کرا رہا ہوں۔ اے اللہ! تیرے حضور میں ان سے اپنی براءت کا اظہار کرتا ہوں۔ اے اللہ! بے شک تو نے ہر صاحبِ علم سے علم کو پھیلانے اور اسے نہ چھپانے کا عہد و پیمان کیا ہے اور جو اپنی ذمہ داری کو نہ ادا کرے اس پر لعنت بھیجی ہے۔ جیسا کہ تیرا فرمان ہے :

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ

لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ ”بے شک جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں، جو ہم نے واضح دلیلوں اور ہدایت میں سے اتارا ہے، اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے کتاب میں کھول کر بیان کردیا ہے، ایسے لوگ ہیں کہ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی اور اصلاح کرلی اور کھول کر بیان کردیا تو یہ لوگ ہیں، جن کی میں توبہ قبول کرتا ہوں اور میں ہی بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہوں۔“ [البقرة: ۱۵۹، ۱۶۰]

اور تو نے فرمایا ہے: ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ﴾ ”اور جب اللہ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا، جنھیں کتاب دی گئی کہ تم ہر صورت اسے لوگوں کے لیے صاف صاف بیان کرو گے اور اسے نہیں چھپاؤ گے۔“ [آل عمران: ۱۸۷]

اے اللہ! اس عہد کو پورا کرنے اور ذمہ داری سے سبک دوش ہونے کی خاطر میں یہ کلمات لکھ رہا ہوں۔ اے اللہ! اگر تو اپنی طرف سے کوئی عذاب نازل فرما تو حق کا حکم دینے والے کو بچالے، کیوں کہ بے شک تو نے بنو اسرائیل کے حق میں فرمایا تھا:

﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ﴾ ”پھر جب وہ اس بات کو بھول گئے، جس کی انھیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا، جو برائی سے منع کرتے تھے اور ان کو سخت عذاب میں پکڑ لیا، جنھوں نے ظلم کیا تھا، اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔“ [الأعراف: ۱۶۵]

اے اللہ! اس امت کو بھلائی کے راستوں پر چلنے کی ہدایت دے اور اپنی رحمت سے اسے تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف گامزن کر دے۔ آمین!

بابِ پنجم :

بیعِ اَجل کے بارے میں فیصلہ کن بحث

نقدی بیع کے مقابلے میں اضافہ پر مشتمل بیعِ اَجل کو جائز قرار دینے والوں نے جن دلائل سے حجت پکڑا تھا، ان کی تفصیل پیش کرکے ان کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم اس بیع کی حرمت کے دلائل کو تفصیل سے بیان کریں گے۔ اللہ کی مدد طلب کرتے ہوئے ہم اپنی بات شروع کرتے ہیں۔ اس بیع کی حرمت اور سودی قسموں میں سے ایک سودی قسم ہونے پر دلالت کرنے والی شرعی دلیلیں حسب ذیل ہیں:

پہلی دلیل: نص شرعی ہے۔ صاحبِ منتقی الأخبار [ابو البرکات ابن تیمیہ رحمہ اللہ] لکھتے ہیں:

❶ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا)) ”جس شخص نے ایک سودے میں دو سودے کیے تو اس کے لیے ان میں سے یا تو کم قیمت ہے یا سود ہے۔“ (اس حدیث کی روایت ابو داؤد اور حاکم نے کی ہے۔ شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ صحیح الجامع میں لکھتے ہیں: حسن ہے، میں نے اس کی تخریج أحادیث البیوع، سلسلة الأحادیث الصحیحة: ۲۳۲۶ اور ارواء الغلیل: ۱۲۹۵ میں کی ہے۔)

اور ایک روایت میں ہے: ((نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ)) ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ (شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ صحیح الجامع میں لکھتے ہیں: صحیح ہے، اس کی روایت ترمذی اور نسائی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کی ہے اور یہ حدیث تخریج المشکاة: ۲۸۶۸، ارواء الغلیل: ۱۲۹۵ اور أحادیث البیوع میں ہے نیز اس کی روایت بزار نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی کی ہے۔)

❷ سماک رحمہ اللہ عبد الرحمان بن عبد اللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: ((نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَفْقَتَيْنِ فِي صَفْقَةٍ)) ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سودے میں

دو سودا کرنے سے منع فرمایا ہے۔" سماک رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ یہ ہے کہ آدمی بیع کرے اور کہے: "هُوَ بِنسأ كَذَا وَهُوَ بَالنَّقْدِ بِكَذَا وَكَذَا" "یہ اُدھار اتنے میں ہے اور نقد اتنے اور اتنے میں ہے۔" اس حدیث کی روایت امام احمد رحمہ اللہ نے کی ہے۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو التلخیص میں وارد کیا ہے اور اس پر سکوت اختیار فرمایا ہے۔

یہ حدیث اپنے مفہوم میں نہایت واضح ہے، سماک رحمہ اللہ کی بیان کی ہوئی تفسیر پر عام شارحینِ حدیث نے اتفاق کیا ہے۔ ان کی تفسیر کے مطابق ایک سودے میں دو سودا کرنے کی ممانعت کا مقصود یہ ہے کہ بائع کہے: یہ سامان حالیہ نقدی قیمت میں اتنے میں ہے اور اُدھار کی صورت میں اتنی اور اتنی قیمت میں ہے، لہٰذا یہ ایک سودے میں دو سودا کرنا ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ابن قتیبہ رحمہ اللہ "غریب الحدیث" (۱ / ۱۸) میں لکھتے ہیں: "ومن البيوع المنهي عنها.... شرطان في بيع: وهو ان يشتري الرجل السلعة إلى شهرين بدينارين والى ثلاثة أشهر ثلاثة دنانير وهو بمعنى بيعتين في بيعة." "اور منع کی ہوئی بیوع میں سے ہے: ایک سودے میں دو شرطیں لگانا۔ اور وہ یہ ہے کہ آدمی دو ماہ تک کے لیے اُدھار دو دیناروں میں سامان خریدے اور تین ماہ تک کے لیے تین دیناروں میں خریدے۔ایک سودے میں دو سودا کرنے کا یہی مفہوم ہے۔"

تاہم اس بیع سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کا سبب کیا ہے؟ اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے۔ جواز کے قائلین کا کہنا ہے: ممانعت کی وجہ جہالت ہے، کیوں کہ مشتری اگر کہے: مجھے قبول ہے تو اسے نہیں معلوم کہ بائع کا ارادہ سامان کو نقدی بیچنے کا ہے یا اُدھار۔ پس اگر کسی متعین سودے پر ان کی علاحدگی ہو اور مشتری کہے: میں نے اسے نقد قبول کیا یا یہ کہے: میں نے اسے اتنی مدت کے لیے اتنے اور اتنے میں اُدھار قبول کیا۔ تو یہ بیع ان کے نزدیک صحیح ہوگی۔ حالاں کہ آپ پہلے ہی جان چکے ہیں کہ کئی

وجوہات کے پیشِ نظر یہ حدیث کی باطل تفسیر ہے۔ان وجوہات میں سے چند درج ذیل ہیں:

❶ یہاں بیع میں جہالت کا ہونا چنداں مضر نہیں ہے، کیوں کہ مشتری کو اختیار حاصل ہے اور بائع اس اختیار سے راضی ہے۔ اور اگر وہ لوگ دونوں سودوں (نقد یا اُدھار) میں سے کسی ایک سودے کو متعین کیے بغیر جدا ہو جائیں تو یہ کوئی معیوب بات نہیں ہے، اس لیے کہ اگر وہ اس کے بعد ملیں اور مشتری کہے کہ مجھے اُدھار منظور ہے یا یہ کہ مجھے نقد منظور ہے اور وہ نقد قیمت ادا کر دے تو یہاں ایسی جہالت نہیں پائی جاتی ہے، جو بیع کے صحیح ہونے میں مضر ہو۔ یہ معلوم بات ہے کہ ہر جہالت بیع کی صحت کے لیے مضر نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اناج کے ڈھیر کی بیع جائز ہے اور اسی طرح اخروٹ، بادام اور تربوز کی بیع چھلکے کے اندر ہی درست ہوتی ہے اور ان سب میں جہالت چنداں مضر نہیں ہوتی ہے، لہٰذا اس بیع میں بھی جہالت مضر نہیں ہے۔ حقیقت میں یہاں ممانعت قطعی طور پر جہالت کی وجہ سے نہیں وارد ہوئی ہے۔

❷ ممانعت یہاں اگر جہالت کی وجہ سے ہوتی تو پھر یہاں اس عبارت میں نبی کریم ﷺ کے فرمان: ((فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا)) کا موقع و محل کیا ہوگا؟ یقیناً ممانعت کی اصل وجہ وہ اضافی رقم ہے، جسے بائع موجودہ قیمت سے زائد وصول کرتا ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں اس کی صورت یہ بنتی ہے کہ بائع یا تو کم قیمت کے ساتھ فروخت کرے گا اور وہ موجودہ نقدی قیمت ہے یا پھر وہ اُدھار کی وجہ سے سودی اضافہ وصول کرے گا، جس کی شرط اس نے اُدھار کی وجہ سے عائد کر رکھی ہے۔

یہ تو جہالت کے بارے میں بات ہوئی، جب کہ بعض اہلِ علم نے نبی ﷺ کے قول: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ)) کے متعلق کچھ احتمالات پیش کرکے اسے اس کے سیاق و سباق اور مفہوم سے دوسری جانب پھیرنے کی کوشش ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حدیث میں کئی معانی کا احتمال پایا جاتا ہے۔ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

❀ یہ ہے کہ بائع کہے: میں اپنا یہ گھر آپ سے اس شرط پر بیچ رہا ہوں کہ آپ اپنی یہ زمین

مجھ سے بیچ دیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ زمین کی دو بیعیں ہیں اور گھر ایک ہی بیع میں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صورت اگرچہ حدیث کی عمومیت میں داخل ہے، مگر اصلاً یہ مشروع ہے اور یہ ایک طرح کے منافع کا تبادلہ ہے۔ اور اس میں پائی جانے والی شرط بیع کو باطل نہیں کرتی ہے، کیوں کہ سنت و آثار سے اس طرح کے بیع کے باطل ہونے کی کوئی شہادت و دلیل نہیں پائی جاتی ہے، بلکہ اس کے صحیح ہونے کی دلیل موجود ہے۔ اور پھر حدیث کی یہ تفسیر فرمانِ نبوی ﷺ: ((فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا)) کو قطعی طور پر بے معنی کر دیتی ہے، اس لیے کہ اس صورت میں سامان کی دو قیمت: کم اور زیادہ یہاں پائی ہی نہیں جاتی ہے، لہٰذا حدیث کی یہ تفسیر درست نہیں ہے اور اس کے ذریعہ حدیث کی تفسیر کرنا جائز نہیں ہے۔ بالفرض حدیث کی یہ تفسیر کرنا جائز بھی ہو تو یہ حدیث کے عموم کو ختم نہیں کرتی ہے یعنی حدیث کی عمومیت اپنی جگہ پر برقرار رہے گی اور جو بیع بھی اس دائرے میں آئے گی وہ ممنوع ہوگی۔

❁ ان کا یہ بھی کہنا ہے: ((بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ)) کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی ایک ہی چیز کو دو مرتبہ فروخت کرے۔ اس طرح کہ وہ ایک مدت کے لیے اُدھار فروخت کرے پھر جب وقت پورا ہو جائے اور مشتری کے پاس ادائیگی کے لیے پیسہ نہ ہو تو وہ کہے: اسے میں دوبارہ اتنی مدت کے لیے بیچتا ہوں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بیع کی یہ صورت یقیناً باطل ہے، کیوں کہ یہاں پہلی مرتبہ تو بیع قائم ہوئی ہے اور اگر وہ دوسری مرتبہ بیچنا چاہتا ہے تو یہ درہموں کے بدلے میں درہموں کی بیع ہوگی، مطلب یہ کہ دوسری مرتبہ اس نے ایک قرض کو دوسرے قرض کے بدلے میں ایک مدت کے لیے بیچ دیا اور اس کے حرام ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ نیز حدیث کی عمومیت میں بیع کی اس صورت کے داخل ہونے سے پہلی صورت کی نفی نہیں ہوتی ہے، بلکہ یقینی طور پر پہلی صورت ہی مقصود ہے، کیوں کہ یہی عام اور رائج ہے۔ اور یہ دوسری صورت تو نادر و نایاب ہے، بلکہ شاذ و نادر ہی پیش آتی ہوگی، بلکہ یہ کہنا مناسب

ہو گا کہ اس سے کوئی واقف بھی نہیں ہو گا یا یہ کہ کوئی ایسا لین دین کرتا ہی نہیں ہے۔
❀ ان کا یہ بھی کہنا ہے: ((بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ)) کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی کوئی سامان ایک مدت کے لیے اُدھار فروخت کرے پھر خود ہی مشتری سے وہ سامان اپنے لیے کم قیمت پر نقد خرید لے اور یہی وہ بیع ہے، جسے ''بيع العينة'' کہا جاتا ہے۔ اس بیع کے بارے میں نبی ﷺ سے ممانعت وارد ہوئی ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ((إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ، وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ، وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ، سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ، حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ)) ''جب تم بیع عِینہ کرنے لگو گے، گائے بیلوں کی دُمیں تھام لوگے، کھیتی باڑی ہی کو پسند کرو گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا، جو اس وقت تک دور نہیں ہوگا جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ۔'' [1] (اس کی روایت أحمد اور أبو داؤد نے کی ہے۔ شوکانی کہتے ہیں: ''اس کی تخریج طبرانی اور ابن القطان نے کی ہے۔ ابن القطان نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور اس کے کئی طرق ہیں، جن سے ایک دوسرے کو تقویت ملتی ہے۔'' اس کی تخریج محمد ناصر الدین البانی نے سلسلة الأحاديث الصحيحة: ۱۱ میں کی ہے اور کہا ہے: ''یہ اپنے جملہ طرق کے مجموعے کی بنیاد پر صحیح حدیث ہے۔'' یہ حدیث صحیح الجامع: ۴۱۶ میں بھی ہے۔)

---

[1] اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کھیتی باڑی کرنا اچھا پیشہ نہیں ہے، کیوں کہ یہ ذلت مسلط ہونے کا سبب ہے، جب کہ دیگر صحیح احادیث میں کھیتی باڑی کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے اور اسے بہترین ذریعۂ معاش قرار دیا گیا ہے۔ دونوں طرح کی احادیث میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی صرف کھیتی باڑی کا ہو کر رہ جائے، اپنا سارا وقت اسی میں بِتائے اور اسی میں مشغول ہو کر اس قدر دنیا پرست ہو جائے کہ جہاد فی سبیل اللہ جیسی عظیم عبادت سے کنارہ کش ہو جائے یا اس سے غفلت برتنے لگے تو یہ ذلت کے مسلط ہونے کا سبب ہے اور جس طرح کی کھیتی باڑی میں انسان اس قدر نہ مشغول ہو تو اسی طرح کے زراعت کی احادیث میں ترغیب دی گئی ہے۔ اس طرح دونوں طرح کی احادیث میں کوئی تعارض و اشکال باقی نہیں رہتا ہے۔ [دیکھیے: سلسلة الاحاديث الصحيحة ۱ / ۴۴] (مترجم)

بلا شک و شبہ یہ باطل قسم کی بیع ہے، اس لیے کہ یہ سود کا ذریعہ ہے اور اس کی حرمت کے بارے میں بہت سے آثارِ صحابہ پائے جاتے ہیں نیز ایک سودے میں دو سودا کرنے کی نبوی ممانعت کے عموم میں بھی یہ داخل ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا)) اس بیع پر منطبق ہی نہیں ہوتا ہے، اس لیے کہ جب بائع سامان فروخت کرے اور پھر اسی قیمت پر اسے خرید لے تو اس بیع کا کوئی مطلب نہیں نکلتا ہے۔ بلاشبہ بیع عِینہ سود تک پہنچنے کا ذریعہ ہے، اس لیے کہ بائع ایک مدت تک کے لیے سامان کو زیادہ قیمت پر بیچتا ہے اور پھر خریدار ہی سے کم قیمت پر نقد خرید لیتا ہے، اس طرح گویا وہ (مثال کے طور پر) ایک مدت کے لیے ایک ہزار کو ایک ہزار تین سو کے بدلے میں قرض دے دیتا ہے۔

درحقیقت بیع کے اس معاملے کے مطابق خرید و فروخت کرنا محض سود پر مبنی دھوکا و فریب کا معاملہ ہوتا ہے، اس لیے کہ بائع کا خود اپنے بیچے ہوئے سامان کو دوبارہ اسی قیمت پر خریدنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا ہے اور یہ صورت نبی کریم ﷺ کے اس فرمان: ((فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا)) کی تفسیر نہیں بن سکتی ہے اور اگر ہم بالفرض اس معاملے کو ایک سودے میں دو سودا کرنے کی نبوی ممانعت کے عموم میں شامل تسلیم کر لیں پھر بھی یہ صورت حدیث کی عمومیت کے تحت آنے والی دیگر صورتوں کے لیے مانع نہیں ہے۔

تقریباً یہی چاروں عارضی صورتیں ہیں، جو اس حدیث کی تفسیر میں بیان کی گئی تفسیروں کا خلاصہ ہیں۔

اور اگر ہم حجت بازی کی خاطر یہ فرض کر لیں کہ یہ تمام تفسیریں صحیح ہیں پھر بھی کوئی ایسی وجہ نہیں پائی جاتی ہے کہ اُس پہلی صورت کو خارج کر دیا جائے، جسے سلف نے حدیث کی تفسیر میں بیان کیا ہے: بائع کا یہ کہنا کہ یہ سامان نقد اتنے میں ہے اور اُدھار اتنے اور اتنے میں ہے۔ بلکہ حقیقت میں حتمی طور پر یہی صورت مراد ہے۔ یہ معلوم بات ہے کہ عموم اپنی عمومیت پر برقرار رہتا ہے اور عام افراد میں سے کسی ایک فرد کو دلیل

کے بغیر نکالنا جائز نہیں ہوتا ہے اور یہاں کوئی ایسی دلیل نہیں پائی جاتی ہے، جس کی بنیاد پر اس صورت کو خارج کرنا ہمارے لیے جائز ہو۔ اس صورت سے میری مراد بائع کا یہ کہنا ہے: یہ سامان نقد اتنے میں ہے اور قسطوں پر اتنے میں ہے۔

اس طرح اب یہ بات متحقق ہو گئی کہ اس بیع کی حرمت کی پہلی دلیل نبی کریم ﷺ کے کلام سے واضح اور صحیح نص ہے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾ "اور رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے تمھیں روک دے تو رک جاؤ۔" [الحشر: ۷]

نیز دوسری جگہ فرمایا: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ "سو لازم ہے کہ وہ لوگ ڈریں جو رسول کا حکم ماننے سے پیچھے رہتے ہیں کہ انھیں کوئی فتنہ آپہنچے، یا انھیں دردناک عذاب آپہنچے۔" [النور: ۶۳]

دوسری دلیل: صحابی کا ایسا قول ہے، جن کا کوئی مخالف نہیں ہے۔

اس بیع کی حرمت پر دوسری دلیل صحابی کا وہ قول ہے، جس کا کوئی مخالف نہیں ہے اور صحابی کا وہ قول جو حدیث کے مخالف نہ ہو بلاشبہ حجت ہوتی ہے۔ عام فقہائے کرام نے صحابی کے قول سے حجت پکڑا ہے، جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: **"دعوا قولي لقول أصحاب رسول الله ﷺ فإنهم أعلم بالتنزيل"** "میرے قول کو اصحابِ رسول ﷺ کے قول کے مقابلے میں چھوڑ دو، اس لیے کہ وہ قرآن کے زیادہ جانکار ہیں۔"

پھر تو یہ صحابی ابن عباس رضی اللہ عنہما حبر الأمۃ اور ترجمان القرآن ہیں اور اس طرح کے قول کے قائل دوسرے صحابی ابن مسعود رضی اللہ عنہ امت کے عالم اور فقیہ ہیں۔

محدث عبد الرزاق رحمہ اللہ اپنی مسند میں روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ہمیں ابن عیینہ نے خبر دی، وہ عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں، وہ عطاء سے روایت کرتے ہیں اور وہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ((إِذَا اسْتَقَمْتَ

بِنَقْدٍ، وَبِعْتَ بِنَقْدٍ، فَلَا بَأْسَ بِهِ، وَإِذَا اسْتَقَمْتَ بِنَقْدٍ فَبِعْتَ بِنَسِيئَةٍ، فَلَا، إِنَّمَا ذَلِكَ وَرِقٌ بِوَرِقٍ)) "جب تم نے نقد قیمت لگائی اور نقد بیچ دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جب تم نے نقد قیمت لگائی اور اُدھار بیچا تو یہ درست نہیں ہے، یہ تو چاندی کے عوض میں چاندی کی بیع ہوئی۔" (مصنف عبد الرزاق ۵ / ۲۳۶، رقم: ۱۵۰۲۸)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ دلیل بائع کے اس قول کی حرمت پر دلالت کرتی ہے: یہ سامان موجودہ سو میں ہے اور ایک سال تک کے لیے اُدھار پر ایک سو دس میں ہے۔ اگر وہ موجودہ سو میں بیچے تو یہ جائز ہے اور اگر ایک سال تک کے لیے اُدھار ایک سو دس میں بیچے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے سو دینار اُدھار ایک مدت تک کے لیے ایک سو دس دینار کے بدلے میں بطور قرض دیا ہے۔

اس معاملے کو حرام قرار دینے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اسی اثر پر اعتماد کیا ہے، وہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں: "جب بائع کہے کہ یہ سامان اتنے اور اتنے دام کے مساوی ہے اور میں اسے ایک مدت تک اُدھار اس سے زائد قیمت پر فروخت کروں گا تو یہ سود ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: "اور جب تم نے نقد قیمت لگائی اور نقد بیچ دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جب تم نے نقد قیمت لگائی اور اُدھار بیچا تو یہ درہموں کے عوض میں درہموں کی بیع ہوئی۔" [فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۹ / ۳۰۶-۳۰۷]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فتویٰ کے خلاف کسی صحابی سے کوئی روایت نہیں آئی ہے، بلکہ فقہائے صحابہ میں سے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کا فتویٰ دیا ہے، وہ کہتے ہیں: ((صَفْقَتَانِ فِي صَفْقَةٍ رِبًا، أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ: إِنْ كَانَ بِنَقْدٍ فَبِكَذَا، وَإِنْ كَانَ بِنَسِيئَةٍ فَبِكَذَا)) "ایک سودے میں دو سودا کرنا سود ہے، وہ یہ ہے کہ آدمی کہے: اگر نقد لینا ہے تو اتنے میں ہے اور اگر اُدھار لینا ہے تو اتنے میں ہے۔" (شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ صحیح ہے، اس کی تخریج ابن أبي شيبة نے المصنف (۸ / ۱۹۲ / ۲) میں اپنی سند سے کی ہے۔ دیکھیے: إرواء الغليل ج: ۵ ص: ۱۴۶-۱۴۷)

تیسری دلیل: صحیح قیاس ہے۔

قیاس شریعت کے مصادر میں سے ایک مصدر ہے، عام علمائے کرام نے اس کا اعتبار کیا ہے، حکیمانہ شریعت دو مُماثِل چیزوں کے درمیان تفریق نہیں کرتی ہے اسی طرح دو مختلف چیزوں کو اکٹھا نہیں کرتی ہے۔ موجودہ نقدی قیمت کے مقابلے میں اُدھار پر مشتمل بیعِ اَجل حقیقت میں عین "ربا النسيئة" ہے۔ متعین اضافے کے ساتھ ایک مدت تک کے لیے مال قرض دینے کو "ربا النسيئة" کہتے ہیں۔ اسی طرح بائع کے اس قول: "یہ نقد ایک ہزار میں ہے اور ایک سال تک کے لیے اُدھار کی صورت میں ایک ہزار ایک سو میں ہے۔" پر غور کریں کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جب خریدنے والے نے کہا کہ مجھے ایک سال تک کے لیے اُدھار منظور ہے، تو بیچنے والے نے گویا سامان ایک ہزار میں بیچ دیا اور جب خریدنے والے کے پاس ایک ہزار نقد نہیں پایا تو اسے یہ ایک ہزار چکانے کے لیے ایک سال کی مہلت دے دی اس شرط کے ساتھ کہ وہ اسے اس کے بدلے میں دس فیصد فائدہ دے گا۔ اس معاملے کی مزید وضاحت کے لیے اس بیع سے متعلق لوگوں کے لین دین کی کیفیت کو دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کا مہلت دینا بالکل اُدھاری مدت کے مقابلے میں سودی فائدے تک مہلت دینے کی طرح ہے۔ آپ ہر روز اس طرح کے تجارتی اعلانات پر نگاہ ڈالتے ہوں گے: "یہ گاڑی ایک سال کی مدت کے لیے کسی فائدے کے بغیر ہے، نیز تین اور چار سالوں کے لیے قسطوں پر ہے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ نے پہلے ہی سال میں قیمت چکا دیا تو آپ کے اوپر قرض کا فائدہ شمار نہیں کیا جائے گا۔ پھر بیعِ اَجل میں اضافی فائدے کا کیا مطلب ہے؟ یہ تو بعینہ قرض میں لیے جانے والے سودی اضافے ہی کی طرح ہے۔ اور بیچنے والا ادائیگی اور قسطوں کے مطابق ہی آپ سے فائدے کا حساب کرے گا، اگر ایک سال میں ادائیگی ہوگی تو قیمت وہی رہے گی اور اگر دو سال میں ادائیگی ہوگی تو فیصد بڑھ جائے گا اور اسی طرح تاخیرِ مدت اور ادائیگی کے اعتبار سے بڑھتا رہے گا۔

ان سب کا مطلب یہی ہوا کہ بیچنے والا صرف مدت بڑھانے کی کوشش میں رہتا ہے، جس طرح کہ سود خور ساہوکار مدت بڑھانے کی کوشش میں رہتا ہے۔ وہ یہی سمجھتا ہے کہ آپ کو کچھ رقم قرض دے رکھی ہے اور آپ ادائیگی میں جو تاخیر کر رہے ہیں اس مدت کی وجہ سے وہ فائدے کا خواہاں ہوتا ہے۔ غور کریں کہ اس اضافی رقم کو بیع کے ساتھ جوڑنے سے کیا معاملے میں کوئی تبدیلی آئے گی؟ بلاشبہ بیع حلال ہے، لیکن جب یہ حرام تک پہنچانے کا وسیلہ بن جائے یا جب اس کے ساتھ حرام کا اختلاط ہو جائے اور وہ حرام کے ساتھ مل جائے تو وہ حرام ہو جائے گی۔ بیع کی یہ صورت سود کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

تاجر کا ایک سو کو سال بھر کے اُدھار پر ایک سو دس کے بدلے میں قرض دینے نیز تاجر کوئی چیز آپ سے موجودہ سو میں بیچے اور آپ کہیں کہ میں ایک سال بعد ادا کروں گا تو وہ کہے کہ آپ کے لیے ایک سو دس میں ہے، ان دونوں صورتوں کے درمیان قطعی طور پر کوئی فرق نہیں ہے، اس لیے کہ اس کی حقیقت یہی ہے کہ اس نے سامان کی قیمت کو دس فیصد اضافے کے ساتھ ایک سال کے لیے قرض دے دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اس کے درمیان کوئی فرق نہیں پاتے ہیں کہ قرض کے لین دین کا معاملہ خواہ تاجر خود طے کرے یا کوئی تیسرا فریق مثلاً سہولیات فراہم کرنے والی کمپنیاں اور بینک وغیرہ قرض کے معاملے کو انجام دیں۔ اس لیے کہ یہ ادارے پیشگی طور پر خریدنے والے کو شے کی قیمت دیتے ہیں اور اس سے زائد رقم وصول کرتے ہیں۔ اور یہ کمپنیاں یا تو تاجر کو شے کی قیمت نقد دیتی ہیں اور دیے ہوئے اس پیسے کو خریدار سے وصول کرتی ہیں یا وہ خاص خریدنے والے کو دیتی ہیں اور پھر اس سے وصول کرتی ہیں۔ ان دونوں طریقوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ چوں کہ یہ سودی ادارے لوگوں کے خرید و فروخت کے معاملے کی تکمیل کرنے والے ہوتے ہیں، اس لیے لوگ ان سودی اداروں کے کام کو نہایت فطری معاملہ سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیعِ اَجل کے لوازم اور اس کے نتائج میں سے یہ ایک لازمی نتیجہ ہے۔ علاوہ ازیں بینکوں اور سہولت فراہم کرنے والی کمپنیوں کی جانب سے لوگوں سے وصول کیا جانے

والا اضافی فائدہ اسی اضافی رقم کی طرح ہے، جسے تاجر خود وصول کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے لیے یہ معاملہ آسان ہو چکا ہے کہ خواہ وہ تاجر کے پاس ادا کریں یا سودی اداروں کو ادا کریں، اس لیے کہ ان کے نزدیک یہ معاملہ ایک جیسا ہو چکا ہے۔ بس وہ اُدھار کی مدت کی وجہ سے اضافی رقم ادا کرتے ہیں، اب چاہے وہ اس بائع کو ادا کریں جس سے انھوں نے سامان کی خریداری کی ہے یا بینکوں کو ادا کریں یا اُن کمپنیوں کو ادا کریں، جن کی جانب خود تاجر نے انھیں منتقل کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اب تو سود وبیاج کاروبار اور تجارت کا لازمی عنصر قرار پا چکا ہے!! حلال کے ساتھ حرام کے مخلوط ہونے اور اخلاق و کردار نیز معاملات میں بگاڑ پیدا ہونے کے بعد بھی کچھ باقی بچا ہے؟ اسی لیے یہاں اس مقام پر ہم کہنا چاہتے ہیں کہ یقیناً مدت کے مقابلے میں تاجر کے اضافی رقم وصول کرنے کے بارے میں لوگوں کا لین دین اور نظریہ بعینہ وہی ہے، جو قرض پر اضافی فائدہ کے متعلق نظریہ ہے۔ یہ وہ نظریہ ہے کہ کسی منصف مزاج شخص کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اسے بیان کرنے سے باز رہے۔ یہ اضافی قیمت صرف اور صرف سودی اضافہ ہے، بلکہ عین سود ہے۔ رسول کریم ﷺ نے سچ فرمایا ہے: ((فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا)) "پس اس کے لیے ان میں سے یا تو کم قیمت ہے یا سود ہے۔" لہٰذا معلوم ہوا کہ نصِّ صحیح صریح عقل کے مطابق ہے اور واضح قیاس رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی تائید کرتی ہے۔

چوتھی دلیل: "سَدُّ الذَّرائِعِ" ہے۔

دین کے اصولوں میں سے ایک عظیم اصول و قاعدہ سد ذرائع ہے۔ سد ذرائع کا مطلب یہ ہے کہ: اُس مباح کام کو چھوڑ دینا، جو اپنے اندر نفع کے مقابلے میں اس سے بڑی خرابی کا ذریعہ بنے۔ یہ بنیادی قاعدہ عقل و منطق کے موافق ہے اور حکمت سے پُر شریعت نے بھی اسے برقرار رکھا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے معبودانِ باطلہ کو گالی دینا حرام قرار دیا ہے، کیوں کہ اس کی وجہ سے وہ لوگ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو گالی دیں گے۔ بزرگ و برتر اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ ”اور انھیں گالی نہ دو جنھیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، پس وہ زیادتی کرتے ہوئے کچھ جانے بغیر اللہ کو گالی دیں گے۔“ [الأنعام : ۱۰۸]

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے دشمن کی سرزمین کی طرف مصحف کے ساتھ سفر کرنے سے منع فرمایا ہے کہ کہیں وہ مصحف چھین کر اس کے ساتھ بے حرمتی نہ کریں۔ اس طرح کے امور و معاملات فی نفسہ مباح اور پاکیزہ ہوتے ہیں، لیکن چوں کہ بڑی خرابی تک پہنچانے کا سبب و ذریعہ بنتے ہیں، اس لیے شریعت نے ان سے روک دیا ہے۔

اس اصول کی اتنی زیادہ مثالیں ہیں کہ انھیں شمار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً : رسول اللہ ﷺ کا اجنبی عورتوں کے ساتھ خلوت اختیار کرنے اور عام عورتوں کے ساتھ مصاحبت اختیار کرنے سے منع فرمانا، کیوں کہ یہ حرام میں واقع ہونے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ آپ ﷺ کا قرض دار کا ہدیہ قبول کرنے سے منع فرمانا کہ یہ سود میں پڑنے کا سبب بنتا ہے، جب کہ بذاتِ خود ہدیہ پاکیزہ چیز ہے۔ اسی طرح جس کو صدقہ دیا جائے اس سے صدقہ کا مال خریدنے سے آپ ﷺ کا منع فرمانا خواہ وہ اسے بازار میں بیچنے کے لیے لے جائے وغیرہ اور اس طرح کی دیگر بہت سی مثالیں ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا، چناں چہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حکام کو تجارت کرنے سے اس خدشے کی وجہ سے روک دیا کہ کہیں وہ اپنے اقتدار و حاکمیت کا فائدہ نہ اٹھائیں، جب کہ یہ معلوم بات ہے کہ تجارت کرنا فی نفسہ مباح ہے۔ اسی طرح انھوں نے کبار صحابہ کو مدینہ سے باہر سفر کرنے اور شہروں کی طرف جانے سے روک دیا تھا تاکہ ان کی تعظیم کی جائے اور ان میں سے ہر ایک کے شاگرد بنیں، جب کہ ان کے نکلنے میں بہت سے فوائد تھے، جیسے : علم کی نشر و اشاعت وغیرہ۔ اسی طرح ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو صحابۂ کرام کی طرف سے غزوے میں شرکت سے باز رکھا گیا تاکہ یہ خلیفہ المسلمین کے فقدان کا سبب نہ بنے، حالاں کہ فی نفسہ غزوہ کرنا

واجب ہے۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں۔ یہاں ان کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سد ذرائع دین کے اصولوں میں سے ایک عظیم اصول ہے، قرآن و سنت میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے، صحابۂ کرام نے بھی اس پر عمل کیا ہے، عام فقہائے کرام، بلکہ حکماء و عقلاء نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔ لہٰذا کوئی بھی عقل مند شخص جب کسی کام میں دیکھے کہ اس میں خیر و مصلحت کے بالمقابل کئی کئی گنا برائی در آئے گی تو بلا شبہ اسے ترک کر دینا اس پر واجب ہوگا اگرچہ اس میں کسی طرح کی بھلائی پائی جائے، اس لیے کہ کسی بھی شخص کے لیے یہ معقول و مناسب نہیں ہے کہ وہ معمولی فائدے کے حصول کی کوشش کرے اور پھر اس راہ میں اپنے آپ کو سنگین نتائج سے دوچار کرے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد وتوفیق سے اس اصول کی وضاحت کے بعد اب ہم اپنی اصل گفتگو کی طرف آتے ہیں۔ بطور مجادلہ ہم یہ مان لیتے ہیں کہ یہ بیع بلا شک و شبہ حلال ہے، تاہم ہمارا سوال یہ ہے کہ اس بیع میں وہ کون سی خیر وبھلائی پائی جاتی ہے، جس کی بنا پر اُدھار کے بدلے میں اضافی رقم لینا ہمارے لیے ثابت ہوتا ہے؟ کیا یہ فائدہ خریدنے والے کی ادائیگی سے متعلق محض بیچنے والے کے صبر کا معاوضہ نہیں ہے؟!! کیا یہی اس لین دین کا کل منافع نہیں ہے؟ لہٰذا اب ہم اس لین دین کے نقصانات، خرابیاں اور مصائب کو چند نکات میں بیان کر رہے ہیں:

(الف) وسیع پیمانے پر سود خوری کا دروازہ کھولنا

اس بیع کی وجہ سے جو سب سے بڑی برائی وجود میں آئی ہے، وہ وسیع پیمانے پر سود کا دروازہ کھولنا ہے۔ تجارت پیشہ افراد اس بیع کو اس لیے پسند کرتے ہیں، کیوں کہ ان کے لیے اس کے اندر تجارتی فوائد کے ساتھ سودی منافع کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ اور جن تاجروں کے پاس نقدی صورت میں مال نہیں ہوتا ہے وہ سہولیات فراہم کرنے والی کمپنیوں اور سودی بینکوں کی مدد لیتے ہیں اور وہ ان سے صارفین کے ذمے واجب الاداء قرض خریدتے ہیں اور ان کے لیے مال مہیا کرتے ہیں اور جن خریداروں کے پاس نقد روپے

نہیں ہوتے ہیں، وہ قسطوں میں ادائیگی سے خوش ہو جاتے ہیں اور اس طرف جانے میں پہل کرتے ہیں، کیوں کہ اس کی وجہ سے ان کی من پسند چیز معمولی پیشگی رقم دینے سے یا کبھی پیشگی رقم دیے بغیر بھی مل جاتی ہے۔ لہٰذا ہر کوئی سود کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے، اس لیے کہ یہ دائرہ لازماً ان سودی اداروں اور بینکوں کے ساتھ مل کر مکمل ہوتا ہے، جو تاجر یا خریدار کو قرض دیتے ہیں اور اس طرح یہ ملعون حلقہ پورا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے تاجر اور مُشتری دونوں سودی اداروں اور بینکوں کے ساتھ جڑ جاتے ہیں اور سود خوروں کی منشا کے مطابق سود و بیاج معیشت کا حصہ ہو جاتا ہے، بلکہ اسے معیشت کا ستون ہونے کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے، اس لیے کہ جب تک عام بیع کے ساتھ لوگوں کی پسندیدہ بیع بیعِ اَجل پائی جائے گی تاجر سود سے بے نیاز نہیں ہو پائے گا اور جب تک تاجر کے پاس رواں مال نہیں ہوگا وہ اپنے بیش تر صارفین کو قرض نہیں دے پائے گا۔

اس بیع کے ذریعہ ہم نے سود کے وسیع دروازے کو کھول دیا ہے اور ہم نے اسے سودی اداروں اور بینکوں کا وظیفہ بلکہ ان کا بنیادی ستون بنا دیا ہے، ہمارے پاس اسے دور کرنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے اور ہم اس کے رخ کو بدل بھی نہیں سکتے ہیں۔ یہی تو یہود چاہتے تھے اور اسی لیے انھوں نے اس ملعون نظام کو گھڑا اور ایجاد کیا ہے تاکہ دنیا کو اپنے پہیے کے ساتھ جوڑ سکیں اور خود ان کا اپنا سرمایہ لوگوں کی زندگیوں پر تسلط و برتری حاصل کر سکے۔ پس اگر اس بیع کو حرام قرار دینے کی فضیلت کے لیے سوائے اس سودی ریلے کو روکنے کے علاوہ کوئی اور سبب نہ ہوتا تب بھی صرف یہی ایک سبب اس بیع کو باطل ٹھہرانے اور اسے حرام قرار دینے کے لیے کافی ہوتا۔

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اضافہ پر مشتمل بیعِ اَجل سے منع کرنے کی فضیلت کے لیے اگر سود کی شہ رگ کو کاٹنے نیز سودی بینکوں اور اداروں کے گرد گھیرا تنگ کرنے کے علاوہ کوئی اور سبب نہ ہوتا تب بھی صرف یہی ایک سبب اضافہ پر مشتمل بیعِ اَجل سے روکنے کے لیے کافی ہوتا۔ معلوم ہوا کہ اضافہ پر مشتمل بیعِ اَجل برائی کا سب

سے بڑا ذریعہ ہے، اس لیے اس کا قلع قمع کرنا اور اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنا واجب ہے۔ جب تک لوگ اضافہ پر مشتمل بیعِ اَجل کو حلال سمجھتے رہیں گے، سود پر مبنی بینکوں کے عمل کو ختم کرنا، بلکہ اس کے رخ کو پھیرنا اور اس کے نظام کو اسلامی نظام سے بدلنا محال ہوگا، اس لیے کہ یہ سودی اضافہ از خود فائدہ اٹھانے کے لیے لین دین کی ایک مستقل قسم کو وجود بخشنے والا ہے اور نام نہاد اسلامی بینک اسی نظام پر قائم ہیں۔

اسی طرح اُدھار کی قیمت اور نقد کی قیمت کے درمیان پائے جانے والے فرق سے فائدہ اٹھانے کے لیے اسلامی بینکوں نے اس کا نام مرابحہ گھڑ رکھا ہے۔ واضح سود پر مبنی بینک جس طرح سودی معاملہ کرتے ہیں اسی طرح یہ بھی سود کے ساتھ قرض دیتے ہیں، گاہک کے لیے نقد قیمت پر سامان خریدتے ہیں اور پھر اُسی سامان کو اُدھار کی قیمت پر بیچ دیتے ہیں اور دونوں کے درمیان پائے جانے والے قیمت کے فرق کو بطور فائدہ خود وصول کرتے ہیں اور اس کا نام مرابحہ رکھتے ہیں!! جب کہ یہ قطعی طور پر مرابحہ نہیں ہے۔ اللہ کو بخوبی معلوم ہے اور اللہ اس پر گواہ ہے کہ یہ صرف اور صرف سودی حیلہ و فریب ہے، جو کہ واضح سود پر مبنی بینکوں کے عمل سے زیادہ خبیث و خطرناک ہے۔

(ب) قرض کی سہولت فراہم کرنا اور لوگوں کا اس میں پھنسنا

اس بیع نے برائی کے جن دروازوں کو کھولا ہے ان میں سے دوسرا بڑا دروازہ قرض کے لین دین کو آسان بنانا ہے، جب کہ یہ معلوم بات ہے کہ قرض اسلام میں مکروہ و ناپسندیدہ ہے اور اگر انسان مقروض حالت میں مر جائے تو جب تک اس کے قرض کو ادا نہیں کیا جائے گا اس کی مغفرت نہیں ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ ایسی میت کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے تھے، جس پر قرض کا بقایا ہوتا تھا۔ جیسا کہ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے تو ایک جنازہ لایا گیا۔ لوگوں نے عرض کیا:

اے اللہ کے نبی! آپ اس کا جنازہ پڑھ دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((هَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟)) ''کیا اس نے کچھ مال چھوڑا ہے؟'' لوگوں نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((فَهَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ؟)) ''تو کیا اس پر کچھ قرض ہے؟'' لوگوں نے کہا: تین دینار قرض ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ)) ''تم لوگ اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھ لو۔'' ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ اس کا جنازہ پڑھیے، اس کا قرض میرے ذمے ہے تو آپ ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی۔(اسے بخاری، امام احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔) [1]

اگرچہ یہ معاملہ بھی تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو وسعت و کشادگی عطا فرمائی تو آپ ﷺ خود ہی [بیت المال] سے میت کا قرضہ چکا دیتے تھے، جیسا کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

نبی کریم ﷺ ایسے شخص کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے، جس پر قرض ہوتا تھا۔ ایک جنازہ آپ کے پاس لایا گیا تو آپ ﷺ نے پوچھا: ((أَعَلَيْهِ دَيْنٌ؟)) ''کیا اس پر قرض ہے؟'' لوگوں نے کہا: ہاں! اس پر دو دینار قرض ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ)) ''تم لوگ اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھ لو۔'' ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ دو دینار میرے ذمے ہیں تو آپ نے اس کا جنازہ پڑھ دیا۔ پھر جب اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو فتوحات دیں تو آپ نے فرمایا: ((أَنَا أَوْلَى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ، مَنْ تَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ، وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ)) ''میں ہر مومن کے لیے اس کی جان سے بھی بڑھ کر قریبی ہوں، لہٰذا جو شخص قرض چھوڑ جائے تو اس کی ادائیگی میرے ذمے ہے اور جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کو ملے گا۔'' (اسے احمد، ابو داؤد، نسائی، ابن حبان، دار قطنی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔) [2]

نیز صحیحین میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري : ٢٢٨٩، نسائي : ١٩٦١، مسند أحمد : ١٦٥١٠، ١٦٥٢٧

[2] أبو داؤد : ٣٣٤٣، نسائي : ١٩٦٢، مسند أحمد : ١٤١٥٩.

((مَنْ خَلَّف مَالاً أو حَقاً فَلِوَرَثَتِهِ، وَمَنْ خَلَّفَ كَلًّا أَوْ دَيْنًا فَكَلُّهُ إِلَيَّ، وَدَيْنُهُ عَلَيَّ)) "جو شخص کوئی مال یا حق چھوڑ جائے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے اور جو بیوی بچے یا قرض چھوڑ جائے تو وہ ہماری ذمہ داری ہیں اور اس کا قرض میرے ذمے ہے۔"[1]

الكَلُّ – بفتح الكاف – : مصیبت، بیوی بچوں اور تمام اخراجات کا بوجھ۔ یعنی رسول اللہ ﷺ خود والی وذمہ دار ہو گئے اور وارثوں کو تکالیف کی ذمہ داری اٹھانے سے آزاد کر دیا۔

مذکورہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرض کا مسئلہ بڑا سنگین مسئلہ ہے اور ان احادیث میں قرض سے دور رہنے کی سخت تنبیہ پائی جاتی ہے۔ اس مسئلے کے سنگین ہونے کے لیے نبی ﷺ کا یہ فرمان ہی کافی ہے: **((يُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلُّ ذَنْبٍ إِلَّا الدَّيْنَ))** "قرض کے علاوہ شہید کا ہر گناہ بخش دیا جائے گا۔" (اسے مسلم اور احمد نے روایت کیا ہے۔)[2]

تاجروں کی جانب سے لوگوں کو قرض کے لین دین پر آمادہ کرنا اور ان پر قرض کا ایسا بوجھ ڈالنا، جن کی ادائیگی کے وہ متحمل نہیں ہوتے ہیں، یعنی افرادِ امت کا قرض کے بوجھ تلے دب جانا اور پھر تاجروں کا اس قرض پر فائدے حاصل کرنا، بیعِ اَجل کو آسان بنانے کی خرابیوں میں سے ایک بڑی خرابی ہے۔

(ج) لوگوں کا بچت کی فضیلت سے محروم ہونا نیز مال ضائع کرنے اور فضول خرچی کرنے کی عادت ڈالنا

اس بیع کی خرابیوں میں سے ایک خرابی لوگوں کو مال ضائع کرنے اور فضول خرچی کرنے کا عادی بنانا ہے۔ یہ طریقہ اپنا کر لوگ اس طرح وسعت و فراخی کے ساتھ بود و باش

[1] صحيح البخاري : ٢٢٩٨، ٢٣٩٨، ٢٣٩٩، ٤٧٨١، ٥٣٧١، ٦٧٣١، ٦٧٤٥، ٦٧٦٣، صحيح مسلم : ١٦١٩ یاد رہے یہاں مصنف نے جن الفاظ کے ساتھ روایت نقل کیا ہے، صحیحین میں اس طرح نہیں ہے، بلکہ کچھ لفظی فرق پایا جاتا ہے، ایسا شاید نیل الاوطار وغیرہ کی اتباع میں ہوا ہے۔

[2] صحيح مسلم : ١٨٨٦، مسند أحمد : ٧٠٥١

اختیار کرتے ہیں کہ ان کی مالی حالت ان کے طرزِ بود و باش کی متحمل نہیں ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے بہت سے لوگ اپنی وسعت و طاقت سے اوپر اٹھ کر زندگی گزارتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ایک آدمی خوب صورت مہنگی گاڑی میں سوار ہوتا ہے، نرم گداز بستر پر کروٹیں لیتا ہے، قیمتی اثاثہ جات کو استعمال میں لاتا ہے، برانڈڈ کمپنیوں کی تیار کردہ زیب و زینت اور تفریحی آلات و سامان مثلاً ٹیلی ویژن، وی سی آر، فریج، کولر، واشنگ مشین اور کچن کے ساز و سامان وغیرہ اکٹھا کرتا ہے، حالاں کہ یہ ساری کی ساری چیزیں یا ان میں کی بیش تر چیزیں قرض پر حاصل کی جاتی ہیں اور اس کی پوری زندگی اسی کے بوجھ تلے دبی رہتی ہے اور وہ اپنی پوری معاشی زندگی میں اسی قرض کو چکانے کے لیے کوشاں رہتا ہے، جب تک کہ وہ ادائیگی کی کوئی صورت نہ پالے۔ اس طریقے کو اپنانے کی وجہ سے لوگ عزیمت، قوتِ ارادی اور لوگوں کے مالوں سے بے نیازی اختیار کرنے جیسی پاکیزہ خوبی و فضیلت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے اس خوبی کو جان لیا ان کی معیشت مضبوط ہو گئی، وسائل بڑھ گئے، بالخصوص جو قومیں اپنے ذخائر کو فائدہ مند منصوبوں میں لگانے کے گُر سے واقف ہو گئیں۔ اور جہاں تک ہر طرح کی تلخ و شیریں اور مفید و غیر مفید چیزوں کے بارے میں بے محابا کشادہ دستی اختیار کرنے والی خالی جیب قوموں کا حال ہے، تو وہ اپنے علاوہ لوگوں کے مقابلے میں فقیر و قلاش اور محتاج ہی رہیں۔ حالات شاہد ہیں کہ اس وقت ہمارے عرب قبائل صرف اسراف و فضول خرچی، ہاتھ پھیلانے اور زیادہ تر حقیقی ضرورت کے تحت مدد مانگنے سے واقف ہیں اور ان کی ضرورت کی یہ ساری چیزیں اس جھوٹی تہذیب کے پروڈکٹ کی جانب سے مستقل بوجھ ہیں۔ مغربی معیشت کے شیطانوں نے اس قوم کے لیے قرض اور قسطوں کے کاروبار کے ذریعے ان ساری چیزوں کی حصول یابی کو آسان کر دیا ہے، خریدار معمولی پیشگی رقم یا کبھی پیشگی رقم کی ادائیگی کے بغیر انھیں حاصل کر لیتا ہے اور پھر لعنتی سود کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ بلا شبہ آج ہمیں بیعِ اجل بالخصوص سودی اضافہ پر

مشتمل بیعِ اجل سے دوری اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ مغربی معیشت کے شیطانوں نے فعلاً ہماری امت کی معیشت کو سود پر مبنی مغربی معیشت کے ساتھ جوڑنے کا کام کیا ہے، تاکہ ہم ہمیشہ کے لیے محتاج اور مقروض رہیں اور اپنا ہاتھ پھیلاتے رہیں۔ ہمارے لوگ اگر صرف نقد قیمت دے کر سامان خریدنے کی عادت ڈال لیں تو ہماری حالت بھی دوسرے لوگوں کی طرح بدل سکتی ہے۔ اس کی وجہ سے ہماری معیشت مضبوط ہوگی، ہم خود پر انحصار کریں گے اور زندگی گزارنے کے لیے ہمارے پاس بھی مال متوفر ہوگا۔

اب اس کے بعد کیا کوئی عقل مند شخص اس بارے میں کہ: اُدھاری کاروبار سے دوری اختیار کرنا ہمارے لیے ضروری ہے، خواہ وہ سودی اضافہ پر مشتمل نہ بھی ہو، رکاوٹ بن سکتا ہے؟ میں یہ نہیں کہتا کہ اضافہ کے بغیر بھی اُدھاری کاروبار حرام ہے، بلکہ اضافہ کے بغیر اُدھاری خرید و فروخت مباح ہے۔ میرا مقصود بیعِ اَجل کی وجہ سے پیدا ہونے والے مفاسد کی رعایت کے بغیر مطلق طور پر اسے مباح قرار دینے کی سنگینی و خطرناکی کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے۔ اور اگر کوئی شخص یہ استدلال کرتے ہوئے حجت پکڑے کہ رسول اللہ ﷺ کی جب وفات ہوئی تو اس وقت آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھی تھی...... میں یہاں یہ یاد دلانا پسند کروں گا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہلِ خانہ کے کھانے کے واسطے تیس صاع جو کے بدلے میں زرہ گروی رکھی تھی، جس کا تعلق ضروریات کی قبیل سے ہے، نہ کہ جدید طرز کے بیڈ اور اس طرح کی چیزوں کے لیے تھا، جیسا کہ موجودہ دور میں لوگ اس طرح کی چیزوں کے لیے قرض کا لین دین کرنے یا ایک مدت تک کے لیے اُدھار پر سامان خریدنے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں۔ تو پھر یہ کیسے اس بیع کے جواز کی حجت ہو سکتی ہے، جب کہ یہ بیع اضافی سود پر بھی مشتمل ہوتا ہے؟!!

خاتمۂ کتاب

کوئی معترض یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ ان تمام باتوں کے بعد حلال تو کچھ باقی ہی نہیں رہا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حلال کاروبار کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اسی حلال کاروبار کو اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی خیر و برکت کو ثابت فرمایا ہے۔ جہاں تک سود کا معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ اسے گھٹاتا ہے اور اسی سود ہی کی وجہ سے سود خور کو خود اپنی ذات سے جنگ کرنے کی دھمکی دیتا ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ ہم اپنے بھائیوں کو اسی سود سے محتاط و چوکنّا کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے سامانوں کی دو قیمت : ایک نقدی قیمت اور دوسرے اُدھار قیمت نہ رکھیں۔ ایک اچھا مسلمان تاجر وہ ہے، جو اپنا سامان ایک ہی قیمت پر فروخت کرے، اگر خریدار کے پاس نقد رقم ہو تو وہ اسے ادا کرے اور اگر اس کے پاس نقد رقم نہ ہو تو رقم ملنے تک صبر کرے اور یہ قرض اٹھانے سے بہتر ہے، اس لیے کہ قرض لینے کے سلسلے میں ممانعت اور شدید وعید آئی ہے، اللہ تعالیٰ دیگر گناہوں کو بخش دے گا، مگر قرض کو نہیں بخشے گا اور یہ قرض عذابِ قبر کے اسباب میں سے ہے یا تو پھر تاجر اسے کسی سودی اضافی رقم کے بغیر ادا کرنے تک مہلت دیدے۔ اس کی وجہ سے آپسی بھائی چارہ بڑھے گا اور برکت میں اضافہ ہوگا۔ ہم نے بچشم خود اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ جو تاجر اس طرح کا پاکیزہ معاملہ کرتے ہوئے اپنے مسلمان بھائیوں پر اُدھار کی وجہ سے کوئی اضافی قیمت نہیں لیتے ہیں، اللہ ان کی تجارتوں میں برکت عطا فرماتا ہے اور ان کے مالوں میں اضافہ فرماتا ہے۔ پس اگر وہ مہلت دے کر در گزر کر دے تو کیسا رہے گا؟ بلا شبہ یقیناً یہ زیادہ بہتر وافضل ہوگا کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آخرت میں اس سے در گزر فرمائے گا اور پھر اس کی وجہ سے باہم ہمدرد اور متحد مسلم معاشرہ وجود میں آئے گا نہ کہ منفعت، فائدہ اور سود کی بنیاد پر قائم ہونے والا معاشرہ وجود میں آئے گا۔

والحمد للہ رب العالمین

اس وقت پوری دنیا میں قسطوں کا کاروبار عام ہو چکا ہے، عیش وعشرت اور دیگر ضروریات کا سامان معمولی پیشگی رقم کے ذریعہ مہیا کرایا جاتا ہے، جب کہ جہاں اس طریقہ کار سے آسانی ہوئی ہے وہیں زیادہ تر اس تجارت میں محض اُدھار اور تاخیر سے ادا کرنے کی وجہ سے موجودہ رِیٹ وقیمت سے زائد قیمت وصول کیا جاتا ہے اور متعینہ مدت سے مؤخر ہونے پر مزید اضافی رقم کا مطالبہ بھی کیا جاتا ہے، جس میں بڑی قباحتیں پائی جاتی ہیں، اسی لیے اس طرح کا کاروبار علماء کے یہاں مختلف فیہ رہا ہے، مگر اس سلسلے میں واضح نص ہونے کی وجہ سے اضافے پر مشتمل اس تجارت کا حرام ہونا اور قیمت سے زائد رقم کا سود ہونا راجح ہے اور پھر یہ اضافی بوجھ سراسر اسلامی روح کے خلاف ہے۔ اس سلسلے میں وارد حدیث پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے محدث دوراں علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''میرے مسلمان بھائی! آپ جان لیں! آج کل قسطوں پر تجارت کا جو یہ لین دین تاجروں میں عام ہو چکا ہے کہ اُدھار کے بدلے میں اضافی رقم لیتے ہیں اور اُدھار کی مدت جتنی لمبی ہوتی جاتی ہے اضافی رقم اور بڑھا دیا جاتا ہے، ایک دوسرے ناحیے سے بھی غیر شرعی ہے، یہ روحِ اسلام کے منافی ہے، اسلام تو اس بنیاد پر قائم ہے کہ لوگوں کے ساتھ آسانی کی جائے، ہمدردی کا معاملہ کیا جائے اور انھیں راحت پہنچائی جائے، جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: (رَحِمَ اللَّهُ عَبْدًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ، وَإِذَا اشْتَرَى، وَإِذَا اقْتَضَى) ''اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جو بیچتے، خریدتے اور قرض کا تقاضا کرتے وقت نرمی کرے۔'' (صحیح بخاری:۲۰۷۶، ابن ماجہ:۲۲۰۳) نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: (مَنْ كَانَ هَيِّنًا لَيِّنًا قَرِيبًا، حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ) ''جو کوئی شخص آسانی کرتا ہے، نرمی سے پیش آتا ہے اور لوگوں کے قریب رہتا ہے اللہ اسے جہنم پر حرام کر دے گا۔'' (اسے امام حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے، اس کی تخریج کے لیے دیکھئے: سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ:۹۳۸) لہٰذا اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتے ہوئے موجودہ قیمت کے مطابق اُدھار یا قسطوں پر سامان فروخت کرتا ہے تو یہ اس کے لیے فائدہ مند تجارت ہے، حتیٰ کہ مادی ومالی اعتبار سے بھی نفع بخش ہے، اس کی وجہ سے وہ لوگوں میں مقبول ہوگا، لوگ اس سے خریداری کریں گے اور اللہ تعالیٰ بھی اس کے رزق میں برکت عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کے اس فرمان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے: ﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ ''اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے گا اور اسے رزق دے گا جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا۔'' (الطلاق:۲-۳) دیکھئے: سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ:۵/۴۲۶

پیشِ نظر کتاب کے اندر اسی اضافے پر مشتمل قسطوں کی بیع کے بارے میں نہایت دوٹوک، واضح ومدلل اور تشفی بخش گفتگو کی گئی ہے، اللہ اسے متلاشیانِ حق کے لیے فائدہ مند بنائے اور اسے پیش کرنے والے تمامی افراد کے حق میں صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین!

Published By:
Maktaba Al-Salam
Antari Bazar, Shohratgarh, Siddharth Nagar, (U.P.) India 272205
9628953010 Email: maktabatussalam1@gmail.com